

محدث

وَاللَّهُ يَكْتُبُ لَكُمْ
وَسَيُجَازِيكُمْ

8/6



مجلس التحقيق الإسلامي كَارُونْ لَاهُورْ

مدير اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۷۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ مہمات

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

ماہنامہ

لاہور

جلد ۸	جمادی الآخرة ۱۳۹۸ھ	عدد ۶
-------	--------------------	-------

فہرست مضامین

- ۱- فکر و نظر جو دینِ حق کی مدد کرتے ہیں، اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے ادارہ ۲
- ۲- التفسیر والتعبیر سورۃ البقرہ (قسط ۲۱) مولانا عزیز زبیدی ۸
- ۳- السنۃ والحدیث آخرت کے انجام کا سکھو دیکھا جا ۱۶
- ۴- دارالافتاء مجنونہ سے نکاح کا حکم اور کیا ایسے شوہر کی امامت جائز ہے؟ نماز قصر کے لیے مسافت کا تعین ۲۲
- ۵- ترغیب و ترہیب نامہ اعمال اور لمحہ فکر سید زاہد علی واسطی ۲۷
- ۶- مقالات کنعان، کنعانیوں کا ہے پروفیسر محمد سلیمان اظہر ۳۸
- ۷- شعر و ادب دل لہراٹھے نہ کس طرح تماشائی کا نظم مولانا عبدالحق مجاز ۴۸

فکر و نظر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جو دین حق کی مدد کرتے ہیں، اللہ ضرور ان کی مدد کرتا ہے

انسانی زندگی ایک عظیم صحرا، بھیانک جنگل اور مہیب اندھیرا ہے، کچھ پتہ نہیں۔ اس میں کب بھونچال آجائے، کہاں حوادث کا کوئی کاٹا چھو جائے یا اندھیرے میں راہ چلتے کہاں نقیوں کا کوئی ہلکا گرٹھا یا غار پیش آجائے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ، ان حالات میں کیسے گزرے اور کیا بنے۔ گو اسی طرح انبساط اور خوشی کے امکانات بھی موجود ہوتے ہیں، تاہم جہاں ثنایانوں کے ساتھ غموں کے کوس بھی بچتے ہوں وہاں خوشی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ عیش و آرام کے سینکڑوں چمنستان کھلے ہوں، جب کرب و ابتلا اور غم و اندوہ کی آندھی کا ایک جھونکا آتا ہے تو خوشیوں کے ساتھ گل و لالہ مر جھا کر جھڑ جاتے ہیں۔ اس لیے زندگی کے اس راہی کیسے مہیب تن و دق صحرا میں جو اندیشے پوشیدہ ہو سکتے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی نمونس، یار غار اور دردمند حدی خواں رفیق سفر ہو جائے تو اندیشوں کے امکانات کے باوجود راہی کی ڈھارس بندھ جاتی ہے، حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور امید کی کرن میں جلا اور آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے۔ سفر آسان ہو جاتا ہے۔ خطرات اور اندیشے منزل کے شوق میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتا ہے، اشتیاق منزل میں دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔ یہ وہ نفسانی کیفیات اور اقدار ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے زندگی کا یہ تاریک گھر وندا بقعہ نور بن جاتا ہے اور انسان کے لیے جہنم کی مٹا آور سکت اوٹ لینے لگ جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر اگر ایک انسان ہوش سے کام لے تو یہ کشتی نجات ساحل مراد سے ہم کن رہ ہو کر مہر ت اور خوشیوں کا گلستان لازم ال اور مردی بن سکتا ہے۔

قرآن حکیم الہی تنگ و تاریک سفر نجات کے لیے نوع انسانی کو اپنا تعاون اور دستارِ رفاقت کا ہدیہ پیش کرتا ہے اور صرف اتنی سی وضاحت کے ساتھ کہ، تم پہلے مجھ سے مناسبت پیدا کر لو، تاکہ اس سفر میں ہماری رفاقت، تمھارے لیے کسی اجنبی کی اتفاقی رفاقت نہ رہے۔ قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ اگر آپ نے اس فطری اور اصولی پیش کش پر لبیک کہی تو آپ دیکھ

لیں گے کہ: آپ کا یہ سفر حیات انتہائی پرسکون، بیدار اور معراج بریں ثابت ہوگا۔
کائنات کی ہر شے آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کے تابع فرمان ہے۔
حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اگر تم اللہ کی مدد کرو گے (تو) وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں
ثابت قدم رکھے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّصِرُوا بِاللَّهِ تُصَرُّوْكُمْ وَيَتَّبِعْكُمْ اللَّهُ مُغْضًى ذَرِيَّةً (محمدؐ)

اللہ کی مدد کرنے کے معنی، اس کے دین اسلام کے غلبہ اور اشاعت کے لیے کوشش کرنے
کے ہیں، کوشش کے معنی نعرہ بازی یا صرف دھواں دھار تقریریں نہیں ہیں، اصل مقصد یہ ہے
کہ اسے عملاً برپا کرنے کے لیے منظم سعی و جہد، بساط بھر شالی معاشرہ اور انفرادی اسوہ حسنہ کا
نمونہ پیش کیا جائے اور اسی راہ میں جتنی اور جیسی کچھ مشکلات پیش آئیں بہت نہ ہاریں۔

اللہ اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اپنا وزن واقعہ دینی محاذ اور حزب اللہ کے پلڑے میں
ڈالتا ہے۔

فَمَا كَانَ لَكُمْ اِيَّاهُ فِي فِتْنَتَيْنِ الْمُنْتَنَاهُ فَخِذْهُ تُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ دَاخِرِي
كَافِرُهُ يَدْرَبُهُمْ مِّنْهُمُ رَايَ الْغَيْبِ مَا لَمْ يَكُنْ يَدْرِبُهُمْ مِّنْ يَّشَاءُ مَا رَآهُ (الغمرانؑ)
”دین اسلام سے انکار کرنے والوں (ان دو) مخالف گروہوں میں تمہارے (سجھنے کے لیے)
(خدا کی قدرت کی بڑی بھاری) نشانی (ظاہر) ہو چکی ہے جو (بدر کے مقام پر) ایک دوسرے
سے گتھ گئے (ان میں سے) ایک گروہ (دوسرے مسلمانوں کا تھا جو) خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور
دوسرا (گروہ) منکروں کا تھا جن کو انکھوں دیکھنے مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دو چند دکھائی دے
رہا تھا اور اللہ اپنی (خصوصی) مدد سے جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔“
خاص کر جن کو اسلام کے غلبہ اور شوکت کے لیے وسائل مہیا ہیں، ان کو حق تعالیٰ ضرور

آزماتا ہے کہ کون ان کا حق ادا کرتا ہے:

وَيَعْلَمُ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ (آلہٴ احزابؑ)

”ہم نے رسول، کتب، انصاف اور لوہے جیسی چیزیں عنایت کیں تاکہ اللہ جان لے
کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسول کی کون مدد کرتا ہے۔“

یعنی اس کے پاس آسمان سے نازل کردہ آئین، اس کے شارح پیغمبر، عدل، انصاف
کے مسائل پر دسترس، عسکری اور اقتصادی قوتوں پر کنٹرول جیسا اعجاز بھی ان کو حاصل ہوتا

گو وہ بہت بڑی سعادت ہے تاہم آزمائش سے کم نہیں، وہ ان کو اسلام کے غلبے کے لیے استعمال کر کے اپنے لیے رحمت بھی بنا سکتے ہیں اور اس کے حین مستقبل پر بوجھ بن کر ان کو اپنے لیے وبال بھی بنا سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا آسمانی معیار اور ترازو ہے جس میں ہم گھر میں بیٹھ کر ہر فرد، جماعت اور قوم کو قیاس کر سکتے ہیں اور اس کے مطابق ایک مناسب لائحہ عمل مرتب کر سکتے ہیں۔ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا تَوَةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

فرمایا: نصرت الہی اور فتح ہمیں ان کے لیے مزید خدا کا ایک عطیہ ہے جو ایمان رکھتے ہیں، راہِ حق میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدْرَأُكُمْ عَلَىٰ تَبَارَكِ اللَّهِ تَنْحِيكُم مِّنْ عَذَابِ إِلِيمٍ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ آمَنُوا بِآلِهِ وَتَبَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ذُرِّيَّةً (الصافات)

اے ایمان والو! تمہیں ایسا کاروبار نہ بناؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکا راہ (وہ یہی ہے کہ) تم اللہ، اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو

اس کے نتیجے میں ان کو جو فوز و فلاح اور حیاتِ طیبہ کی دولت نصیب ہوئی ہو وہی فرمایا: وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ (ایضاً)

”اور ایک اور (تمہیں بھی کہ) وہ تمہیں محبوب ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے نصرت اور فتح قریب۔“

مالوں اور جانوں سے جہاد ایک یہ کہ، لڑائی کا وقت آجائے تو راہِ حق میں مال بھی لٹائے اور گردنیں کٹنا پڑیں تو دریغ نہ کریں۔ اس کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ: نظامِ مالیات ہو یا جسم و جان کی کوئی بات، قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہوں، جہاں یہ سماں ہوگا وہاں فتح و نصرت خداوندان کے قدم چومے گی، جسے دیکھ کر مسلم جھوم اٹھے گا، فرمایا یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

لِلَّهِ الْأَمْوَالُ قَبْلَ دَمِنَ بَعْدُ دَايَوْمَ مَدِينَةٍ يُقَرِّحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ طَيِّقُوا مَن يَشَاءُ رِيطٌ (روم)

”پہلے بھی فتح و شکست کا، اللہ ہی کو اختیار تھا اور (اس واقعے کے) بعد بھی (اسی کو اختیار ہے) اور اس دن مسلمان اللہ کی طرف سے خوش ہو جائیں گے، وہ جس کی چاہتا ہے

مدد کرتا ہے۔

اپنی خصوصی نصرت کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَ
نَصَرْنَاهُمْ فَمَا نَالُوا مِنْ الْغُلَبِيِّنَ ۚ وَأَتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ۚ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ ۚ وَتَوَكَّلْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ۚ رِبِّ - الصفت ۴،

اور ہم نے موسیٰ و ہارون پر احسانات کیے، اور ان دونوں اور ان کی قوم کو بہت بڑے
(ابتلاء اور) کرب سے نجات دی اور (فرعون کے مقابلے میں) ان کی مدد کی تو (آخر کار) یہی لوگ
غالب رہے اور دونوں کو ایک واضح کتاب دی اور دونوں کا سیدھا راستہ دکھایا۔ اور ان کے بعد
آنے والوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا

فرعون جیسی متبعہ طاقت کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی کیا پوزیشن تھی، لیکن جب بحیثیت
قوم انھوں نے خدا کی کتاب اور خدا کے پیغمبروں کا احترام کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان مظلوموں کو فاتح بنا
لیا اور جو تکبر فاتح تھے ان کو مغتوج کر کے دکھا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ اور
حضرت ہارون پر سلام:

وَسَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (ایضا)

یہ انقلاب معمول انقلاب نہیں تھا۔ ایک عظیم انقلاب تھا۔ وہ قوم مصر میں جن کی حیثیت
ایک خادمہ کی تھی، اس کے ہاتھوں مصر جیسی عظیم سیاسی طاقت کا خاتمہ انتہائی عجیب العقول انقلاب
ہے۔ اگر اب بھی کوئی قوم اور جماعت اس کا نمونہ پیش کرنے کو تیار ہو جائے تو یقین کیجیے: فتح و
نصرت کی اس عظیم مثال کو اب بھی دہرایا جاسکتا ہے۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس قوم سے کیا جنھوں نے انبیاء کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے
نظام حیات کو ترتیب دیا۔ اللہ نے ان کی خصوصی نصرت فرمائی اور جنہیں ماریاں ان کے
یہ وجہ عذاب بنے رہے اللہ نے خود ہی ان سے ان کا انتقام لیا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَنكَرُوا
مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۚ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ (پہلا - الروم ۴)

اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے
پاس دلائل لے کر آئے (مگر انھوں نے ان کو جھٹلایا) پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو
جرم کرتے رہے (اصل بات یہ ہے کہ) اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد

کرتا ہے اور وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

وَلْيَصْرَحَنَّ اللَّهُ مَنْ يَتَّبِعُ طَرِيقَ اللَّهِ لَقَوْلِي عَزَّ وَجَلَّ (رَبِّا - الحج ۳)

شرط یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو اور غلوں و دل کے ساتھ منکرین حق کے خلاف میں اتر آئیں۔ فرمایا: ایسی صورت ہیں ہم خود تمہارے ہاتھوں تمہارے دشمنوں کو جو تھے لگوائیں گے اور تمہارے دل کو ٹھنڈا کریں گے۔

كَانَ اللَّهُ أَهْوَىٰ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنَّكُمْ مُؤْمِنِينَ هَ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ وَيُنْصِرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُودَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ (دہل - التوبة ۳)

”اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو، ان لوگوں سے لڑو، خدا تمہارے ہی ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور ان پر تم کو فتح دے گا اور مسلمان جماعت کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

فرمایا جو حق کو جھٹلاتے ہیں ہم مسلمانوں کو نصرت عطا کر کے منکرین کا بڑا غرق کر ڈالتے ہیں۔
وَنَصْرُونَهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا هَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سَوِيًّا قَاعًا هَ أَجْمَعِينَ۔

”اور ہم نے ان کا بدلہ لیا ایسے لوگوں سے جیہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

جو لوگ حق کے لیے حق پرستوں کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرتے ہیں اللہ ان کو طمانیت اور فتح دیتا ہے۔

لَقَدْ دَعَانِي اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَايَعُوكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنَّا لَهُمْ مَتَّحًا قَرِيبًا (رَبِّا - الفتح ۳)

”بے شک اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے اور اللہ کو معلوم تھا جو ان کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان پر طمانیت نازل کی اور ان کو لگے ہاتھ فتح دی۔

جو لوگ ہزار مشکلات اور اذیتوں کے باوجود حق کا ساتھ نہیں چھوڑتے، اللہ ان کی ہی مدد کرتا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَّوْاْ عَلَىٰ مَا كَذَّبُواْ وَآوْذُواْ حَتَّىٰ أَتَاهُم
نَصْرًا (انعام - ۶)

دوسرے مقام پر فرمایا (سورۃ یوسف ۶)
حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْاْ أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُواْ جَاءَهُمْ نَصْرُنَا
”یہاں تک کہ پیغمبر یاس ہو گئے اور گمان کرنے لگے کہ ان سے غلطی ہوئی کہ (اتنے میں)
ہماری مدد آچنی“

یقین کیجئے اللہ جب مدد کرتا ہے اس وقت اور کوئی ان کو دبا نہیں سکتا۔
إِن تَسْكُرْهُمْ فَلَا غَالِبَ لَكُمُ (پ - ال عمران ۶)
اگر اللہ تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر تمہاری اور کوئی مدد کو نہیں آ سکتا۔
فَإِن يَحْدُ كُمْ فَعِمَّ ذَٰلِكَ لِيُفْهَمَ كُمْ مِّن بَعْدِهِ (ال عمران ۶)
واقعہ تو یہ ہے کہ فتح ہے تو صرف وہی فتح ہے جو اس کی طرف سے ہوتی ہے۔
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْغَزِيْرُ لِنُحْيِيَكُمْ (ال عمران ۶)

اصلی اور سچا دوست بھی وہی ہے اور بہترین مددگار بھی وہی ہے۔
بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ الْمَوْلِيْنَ (ال عمران ۶)

لیکن اللہ کی طرف سے نصرت اور تائید صرف ان کو مائل ہوتی ہے جو خدا کے دین کی مدد کرتے ہیں۔
عمل میں کتاب سنت کے حامل اور مہربانیاں کا نمونہ ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں عموماً مسلم پریشان ہیں، دشمنانِ دین
کے..... ہاتھوں بھی اور مدعیانِ اسلام کے ہاتھوں بھی۔ مگر افسوس یاد رکھ دین کے نام پر ہتھ دے چلائے
ان کی زندگی کے شب و روز ننگ دین ہوتے ہیں، دین کا نام لے کر دھکے دینا کوئی معنی نہیں رکھتا،
جب تک اس کی اپنی زندگی اسلام کا نمونہ نہ ہو۔

دنیا کا یہ میدانِ ابتلا اور محن کا میدان ہے جب جان پرین جاتی ہے تو کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔
اگر آتا ہے تو صرف وہی جس سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔ دین حق اور خدا سے جن کا تعلق گہرا ہوتا ہے
اللہ اپنے ان وفا شعار دوستوں کو کبھی بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ ان کی مدد کرتا ہے اور کامیاب
مدد فرماتا ہے۔ اس لیے آپ پہلے اس حیثیت سے اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ نصرتِ الہی کے حق دار ہیں
بھی کہ نہیں؟ اگر میں تو پھر ہمت نہ ہاریے۔ اللہ کی نصرت بس آئی سو آتی۔ ان شاء اللہ۔
حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْاْ أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُواْ جَاءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف ۶)

التفسیر والتعبیر

مولانا عزیز زبیدی۔

سُورَةُ بَقَرَةَ (قسط ۲)

کچھ عرصہ سے ہم نے محدث میں التفسیر والتعبیر کے کالموں میں قرآن کریم کی مسلسل تفسیر روک کر
الکتاب والحدیث کے عنوان سے مناسب احوال قرآنی آیات کے درس کی اشاعت شروع کر دی تھی کیونکہ
التفسیر والتعبیر کی پاروں کی صورت میں اشاعت کا پروگرام تھا لیکن محترم مولانا عزیز زبیدی صاحب کی
ناسازشی طبع اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام تیزی سے جاری نہ رہ سکا لہذا ہم قارئین کو کسی مزید
انتظار میں رکھے بغیر پھر سے یہ سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

يٰۤاَيُّهَا اَسْرَآءِ يٰۤاِذْ كُورُوا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل! ہمارے وہ احسانات یاد کرو جو ہم تم پر کر چکے ہیں اور اس بات کو بھی کہ

وَ اِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۝

ہم نے تم کو دنیا جہاں کے لوگوں پر فوقیت دی

اے اِنِّي فَضَّلْتُكُمْ (میں نے تمہیں فوقیت دی) وہ خاص فضیلت اور فوقیت کیا تھی جو اپنے زمانہ
میں ان کو حاصل رہی ہے کہتے ہیں وہ دولت کی فراوانی تھی، کچھ بزرگوں نے فرمایا: وہ سیاسی
برتری تھی، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کی کثرت آبادی اور نسل کا پھلنا پھولنا ہے۔ بعض
کہتے ہیں کہ ان سب کے مجموعہ کو فضل ربی کہا گیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اعزاز اور فوقیت کے مندرجہ بالا نمونے، صرف ضمنی حیثیت رکھتے
ہیں۔ کیونکہ عموماً وہ ایمان و عمل صالح کے قدرتی نتائج کا حاصل ہیں یا ان قسم استدراج کی بات
ہے۔ اصل برتری، فوقیت اور سرفرازی جس کا ذکر حق تعالیٰ نے خصوصیت سے ذکر فرمایا
ہے وہ حق تعالیٰ کی ناسندگی کا اعزاز اور سرفرازی ہے کہ دولت توحید کا ان کو وارث بنایا

اور پھر ایمان و عمل کی صالح نمائندگی کا اعزاز بھی ان کو بخشا۔ اس لیے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک، جو طویل عرصہ تک صرف انہی کے ساتھ مخصوص رہی ہے، باقی رہی اقتدار یا دھن دولت اور دوسرے مادی انعامات کی بات؟ سو یہ دعوے کوئی نہیں کہہ سکتا، کہ وہ دوسری اور کسی قوم کو ان کے عہد میں حاصل نہیں رہی۔

ایمانی فضل و کرم، وراثت اور نمائندگی ہی اصل قابل رشک امور ہیں، جب دنیا داروں اور جاہ و ثروت کے ماروں نے اہل ایمان کا مذاق اڑایا تو حق تعالیٰ نے کہا کہ مذاق نہ اڑاؤ، دراصل تم کو ایک آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، باقی رہے ایمان؟ سو ہم نے ان پر ہی اپنا فضل کیا ہے۔ یعنی ایمان نصیب کیا ہے۔

وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِن بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَلِيمٍ
الْمُشْكِرِينَ (انعام رکوع ۶)

اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ایک دوسرے سے آزمایا تاکہ (مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر) یہ کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دے کر) اپنا فضل کیا ہے۔

اسلام اور ایمان کو اللہ نے اپنا فضل و کرم کہا ہے۔

يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا كُفْرًا عَلَىٰ رَأْسِكُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يَمُنُ
عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنَّكُمْ صِدِّيقِينَ (پٹ - حجرات ۷)

رسالت کو بھی اللہ نے اپنا فضل اور احسان کہا ہے۔

فَلْيَكُنِ اللَّهُ يَمُنُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (پٹ - ابراہیم ۷)

پوری قوم بنی اسرائیل ایک طویل عرصہ تک اس دینی قیادت پر فائز رہی ہے، اسی اعزاز کے لیے اس قوم کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا۔ بس اب پھر انہیں اس مقام و مرتبہ کا تصور دلا کہ ممنون کیا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کی دین ہے۔ اگر سوچو تو یہ منصب اب بھی تم سے چھینا نہیں گیا بلکہ آپ کے خاندان کے ایک دوسرے فرد کو اس پر سرفراز کیا گیا ہے۔ تمہیں اب ان کی مخالفت کے بجائے ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر دوسرے افضال و لطف کی

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ
 اور تم اس دن (یعنی روز قیامت) سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف
 مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝
 سے کسی کی کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس سے (کسی طرح کا) کچھ معاوضہ لیا جائے گا اور نہ لوگوں
 کو (کہیں سے) کچھ مدد مل سکے گی۔

بارش نہیں ہوئی، ہوئی ہے، اللہ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دینی قیادت چیز سے دیکھے!
 دوسری نعمتیں، احسان اور فضل و کرم اور نوازشات کی باتیں تو ہو سکتی ہیں لیکن تمام اقوام عالم
 پر فوقیت کا موجب نہیں ہو سکتیں، کیونکہ کم و بیش وہ دوسروں کو بھی حاصل رہی ہیں، اگر کوئی دولت
 نایاب ایسی ہے۔ جو بلا استثناء تمام اقوام عالم کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے تو وہ یہی
 دینی قیادت کی سرفرازی ہے، جو ایک طویل عرصہ تک ان کو حاصل رہی ہے۔ بس وہ یہی برتری
 ہے، جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

ثُمَّ قِيلَ مَا اَدْنٰ مِنْ زَمَانٍ اور وقت، زمانہ ایک دن کا ہو یا سال، یا صدیوں کا! اس آیت میں جس
 یوم کا ذکر ہے وہ یوم، یوم قیامت ہے۔ وہ دن کیسا ہوگا، یہاں پر اس کا ایک مختصر سا تعارف
 دیا گیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، سفارش، معاوضہ یا مدد، کچھ بھی وہاں ممکن
 نہیں رہے گا۔ وہاں عمر کی کھیتی کا حاصل ملے گا، وہ بونے کا وقت نہیں ہوگا، یہاں سے کچھ
 کر کے جاؤ، وہاں کوئی کچھ نہیں دے گا، وہاں ایمان اور عمل صالح کی پونجی کام آئے گی، رشوت
 کام نہیں دے گی، اپنے کیے کا پھل تو شاہدہ ہو سکے گا لیکن وہ کرنے کترنے کا وقت نہیں ہوگا۔
 وہاں کا دوبار نہیں ہوگا۔ کارہائے زندگی کا میٹھا کڑوا پھل چکھنے کی وہ گھڑی ہوگی۔ اس لیے کل کیلئے
 ابھی سے کچھ سوچ لیجیے، کچھ کر لیجیے اور کچھ بنالیجیے۔ قرآن نے اس 'عظیم یوم' کا تعارف مختلف
 پیرایوں میں بیان کیا ہے اور اس کے ان گنت خصائص کا ذکر فرمایا ہے۔
 صور پھونکنے کے بعد یہ دن طلوع ہوگا۔ ایک مخصوص صور پھونکا جائے گا۔ جس کے بعد
 قیامت کا یہ دن برپا ہو جائے گا۔

فَاِذَا نَفَخَ فِي السُّنُوفِ (محدث لے)

دو بار صور پھونکا جائے گا۔ جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی ہر شے پر موت کی بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ اور اب وہ غش کھا کر مر جائیں گے۔

ذَفَعْنَا فِي السُّورِ فَصَبْعًا مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَوْتٌ
شَاءَ اللّٰهُ رَبِّ - (الزمرع)

پہاڑ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پہلے صور پھونکنے پر پہاڑ اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

فَاِذَا نَفَخَ فِي السُّورِ نَفْخَةً وَاحِدَةً ۚ دَحِیْمَتِ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ قَدْ كُنْتَ
دَكَّةً وَاحِدَةً۔

آسمان شق ہو جائیں گے۔ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَرَیْثَةٌ (سورۃ العاتقہ پناہ)
وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ ابْوَابًا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (پناہ - تبارک)

پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب جی اٹھیں گے۔

ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اٰخَرٰی فَاِذَا هُمْ بِمَا مُّیْتَضَرُّوْنَ (الزمرع)
اب سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اب اٹھ کھڑے ہوں گے مگر کوئی کسی کا رشتہ دار نہیں بنے گا
اور نہ کوئی ایک دوسرے سے بات کرے گا کیونکہ سب کو اپنی پڑی ہوگی۔

فَاِذَا نَفَخَ فِي السُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَامَعُوْنَ (پناہ - مومنون)

ہاں بولیں گے تو حسرت سے بولیں گے اور محض اس کی اجازت سے:

يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ يَكُنْتُمْ اِلَّا عَشْرًا (طہ)

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاٰذِنِهٖ رَبِّ - (ہودع)

اس دن صرف خدا کی حکومت ہوگی۔ اس دن کوئی دم نہیں مار سکے گا، حکمرانی صرف اللہ کی ہوگی۔

وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ (پناہ - الانعامع)

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ رَبِّ - (البعجع)

لَيَنَّ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومنع)

اس دن اللہ کی ناست خود ہی عدالت اور کھلی کچہری لگاٹھے گی۔

يَعْتَمِدُ بَيْنَهُمْ رَيْبُهُ (مومن ع)

سر جھکائے دوڑ رہے ہوں گے۔ اس دن سب کا سر جھکا ہوگا، آنکھیں نیچی کیے مخصوص مرکز کی طرف دوڑیں گے۔

خَشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُسْتَشِرٌ مَّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ (القرع)

رب کی طرف دوڑیں گے۔ دربار الہی میں پیش ہونے کو سب ادھر کو دوڑ رہے ہوں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ نَادَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ (یس ع)

دو فرشتے ان کو لے چلیں۔ مَعَهَا سَائِرٌ وَشَهِيدٌ (ق ع)

اس دن سب جمع ہوں گے۔ ان ازل تا آخر سب اس دن جمع کر دیے جائیں گے، کوئی بھی غیر نہیں رہ سکے گا۔

هَذَا يَوْمُ الْقُضْلِ جَمَعْنَكُمْ وَالْأَوَّلِينَ (پٹا - موسلا ت ع)

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ (الاعصاب ع)

اس دن بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ اس دن بڑے بڑے شاطروں اور زبان آوروں کی زبان بھی گنگ ہو جائیں گی۔

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ (پٹا - موسلا ت ع)

سودا بازی یا دوستی نہیں چلے گی۔ اس دن کاروبار ہوگا نہ کوئی سودا بازی، دوستی چلے گی اور نہ کوئی سفارش۔

يَوْمُ لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ ۲۶۱)

يَوْمُ كَيْفَ يَبِيعُ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ (ابراہیم ع)

کوئی مندرت یا انکار نہیں بن پڑے گا۔ وہاں اب کوئی مندرت کام نہیں آئے گی، کیونکہ مندرت کے معنی آئندہ محتاط رہنے کے ہیں۔ وہاں محتاط یا غیر محتاط رہنے کا وقت ہی ختم ہوگا اسی طرح خدا کو راضی کرنے کا ٹائم بھی نہیں رہے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعِينٌ رَّبُّهُمْ وَلَا هُمْ يَسْتَعِينُونَ (پٹا - دوع ع)

مندرت کجا، اس کی ان کو اجازت بھی نہیں ملے گی۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (موسلا ت ع)

نہ ہی مگرنے کی کوئی سبیل ہوگی اور نہ کوئی دوسرے جگہ پناہ ملے گی۔ نہ ہی اس دن جزا

اور سزا میں کوئی توقف یا بہت کی کوئی گنجائش ہوگی۔

يَوْمَ لَا مَوْدَلَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَا يُؤْمِنُ ذَمَّكُمْ مِنْ تَكْلِيهِ (پ۔ المشری ۷۵)
یہ بہت سی مشکل گھڑی ہے۔ یہ گھڑی قیامت کی گھڑی ہوگی اور سخت شکل۔

فَذَلِكَ يَوْمٌ عَسِيرٌ (پ۔ مدثرع)

کلیمہ مرنہ کو آئیں گے۔ اِذَا انْقَلَبْ كَذَى النَّجَاحِ كُلَّ طَمِينٍ (مومن ع)

منجوس دن۔ اکثریت کے لحاظ سے وہ دن بڑا منجوس دن ہوگا۔

يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يُؤْمِرُ عَقِيمٌ (الحج ع)

ہمہ گیر دن۔ یہ دن ایسا ہمہ گیر ہوگا کہ کوئی بھی شخص اس کی لپیٹ سے بچ نہیں سکے گا۔

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُعِيبٌ (ہود ع)

یہ یوم، یوم مشہود ہے۔ اس دن رب کے حضور سب حاضر کیے جائیں گے، اور کوئی بھی شخص غائب نہیں ہوگا اور وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرے گا۔

ذَلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ (پ۔ ہود ع)

وہ ہمارے حیات کا دن ہوگا۔ اس دن کچھ لوگ حیات جانیں گے اور کچھ بد نصیب ہار بیٹھیں گے۔

ذَلِكَ يَوْمُ النَّعَابِ (پ۔ النعاب ع)

بگڑے ہوئے چہروں کا دن۔ جب وہ دن آئے گا تو سب کے منہ بنے ہوں گے۔ سخت مضطرب اور کبیرہ المنظر ہوں گے۔ يَوْمًا عَنُوسًا قَمَطَرِيًّا (دھوع ع)

بعض چہرے سیاہ اور بعض چمکتے ہوں گے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (العمان ع)

یوں جیسے ان پر گرد پڑی ہو اور سیاہی چھا رہی ہوگی۔

وَوُجُوهٌ يُؤْمِنُ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (عبس ع)

بعض روشن اور چمکتے ہوں گے:

وَوُجُوهٌ يُؤْمِنُ مُسْفَرَةٌ صَارِحَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ (عبس ع)

کالی کلوٹی رات کی طرح سیاہ اور ڈراؤنے ہوں گے۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قُطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا (یونس ع ۳)

ان کے چہروں کو آگ لگی ہوگی:

وَنَقَشُوا وَجُوهَهُمُ النَّارَ (ابراہیم ع)

اور وہ ان کو جھلستی ہوگی:

يُتْلَفَعُ وَجُوهُهُمُ النَّارَ (المومن ع)

ان کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا

فُكِبَتْ وَجُوهُهُمُ النَّارَ (النحل ع)

اس دن کباب کی طرح دوزخ کی آگ میں ان کے سروں کو الٹ پلٹ کر ٹھونکنا پائے گا:

(اللَّهُمَّ فَقِّعْ عَذَابَ النَّارِ) يَوْمَ تُقَلَّبُ وَجُوهُهُمُ النَّارَ (احزاب ع)

ایک طبقے کا شر ہی منہ کے بل ہو گا:

وَنُحْشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وَجُوهِهِمْ (بنی اسرائیل ع)

آگ میں ان کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا:

يَوْمَ يُسْجَوْنَ فِي النَّارِ عَلَى وَجُوهِهِمْ (قصہ)

اور یوں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے کیونکہ دنیا میں حق کے سلسلے میں ان کا تعامل

کچھ ایسا ہی تھا:

وَنُحْشِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وَجُوهِهِمْ عُنْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا (بنی اسرائیل ع)

ملاقات کا دن۔ اس دن کا نام "یوم التلاق" بھی ہے کیونکہ سبھی قسم کے لوگوں کی ایک دوسرے

سے ملاقات ہو جائے گی:

لَيُنْزِلَنَّ يَوْمَ التَّلَاقِ (مومن ع)

روزِ قریب۔ اس دن کا نام "یوم الازتہ" (روزِ قریب) بھی ہے۔ کیونکہ یقینی ہے خاص کر مرنے

کے بعد اس کے دروازے پر انسان پہنچ ہی جاتا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ یہ گھڑی ہر وقت سر پر

نفلِ لا رہی ہے:

فَأَسْأَلُهُمْ يَوْمَ الْآزَةِ (پکا۔ المومن ع)

یومِ حسرت۔ اسی کا نام یومِ حسرت بھی ہے کیونکہ بد لوگ تو حسرت کریں گے ہی۔ نیک بھی پچھنائیں

کہ کاش! اور نیک کی ہوتی:

وَأَسْأَلُهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ (پکا۔ مریم ع)

یومِ الخروج۔ اس دن کا نام یومِ الخروج بھی ہے کیونکہ نفعِ مٹور کے بعد سب لوگ قبروں سے

نکل کھڑے ہوں گے۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّوَجُّعِ (پ - ق ع)

یوم التوجع۔ اسی کا نام "یوم التوجع" (پیشگی کا دن - لازوال اور غیر فانی دن) کیونکہ اب اٹھ کر کھڑے ہونا اور فضا ہونا نہیں ہوگا۔ روزِ نخی، روزِ خ میں اور ربیعتی جنت میں سدا رہیں گے۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّوَجُّعِ (پ - ق ع)

یوم الدین۔ چونکہ اس دن سب کے لیے جزا و سزا کا حکم سنایا جائے گا، اس لیے اس کا نام یوم الدین (روزِ جزا) بھی ہے۔

مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ (فاتحہ)

یوم فصل۔ اس دن فیصلے کیے جائیں گے اور نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے۔ اس لیے اس دن کا نام یوم الفصل بھی ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ (مرسلات - ع)

لیڈری کا دن۔ دنیا میں جو شخص شر، بدی اور بد لوگوں کا لیڈر ہوگا، قیامت میں بھی وہ اسی شان سے اپنے مقام اثر کے لوگوں کو لے کر روزِ خ میں جائے گا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (پ - موعذ)

کیونکہ ایسے بدرہما اور لیڈر لوگوں کو قیامت میں اپنے گناہوں کے علاوہ اپنے زیر اثر لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا۔

لِيَحْمِلُوا أَوْثَانَهُمْ كَاحِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْثَانِهِمْ بُيُوتُهُمْ يُحْمِلُونَهَا (نحل - ع)

یہ بوجھ بہت بھاری بوجھ ہوگا اور بہت بُرا۔

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِثْرًا (خلد - ع)

یَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا (طہ - ع)

بلکہ جو، جس اور جیسے شخص کے پیچھے چلے گا، اس کو اس کی ہی قیادت میں سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ بھلا ہوگا تو بھلا، برا ہوگا تو بُرا۔

يَوْمَ تَدْعُوا كُلُّ أُنَاثٍ إِلَىٰ مَا أَهْلَتْ مِنْ دُونِهَا (نہ - ع) (باقی آئندہ)

محدث کے سلسلہ میں انتظامی امور کے متعلق جملہ خط و کتابت یا شخصی طور پر ملنے کے لیے بالائی منزل میں سر حانظ عبدالوجید اینڈ برادرز نام کی نمبر ۲ لاہور تشریف لائیے۔ فون نمبر ۶۳۲۱۰

المستدرک للحديث

عن يزيدي.

آخرت کے انجام کا آنکھوں میں کیا حال

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِجَهْمٍ فَقَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ اللَّيْلَةَ نَوْمًا قَالَ فَإِنْ رَأَى أَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُولُ مَا سَأَلَ اللَّهُ فَسَأَلْنَا يَوْمَئِذٍ مَا فَقَالَ هَلْ رَأَى مِنْكُمْ أَحَدٌ رَوْعًا فَلَمَّا لَمْ يَرَ قَالَ النَّبِيُّ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ دُحَلَيْنِ ابْتَيْنِي فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَخْرَجَانِي إِلَى أَرْضٍ مَقْدَسَةٍ فَأَخْرَجُنِي جَائِسٌ وَرَجُلٌ قَائِمٌ بِيَدِهِ كُذِّبَ مِنْ حَدِيثِي بِخَلَّةٍ فِي شِدْقِهِ حَتَّى يَبْلُغَ تَقَعًا ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْأَخِيرِ شَلَّ فَلَكَ دَيْلَتِيْمُ شِدْقُهُ هَذَا فَيَعُوذُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهُ فَقُلْتُ مَا هَذَا؟ قَالَ أُنْطَلِقُ

فَأُنْطَلَقْنَا حَتَّى آتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُصْطَرِّجٍ عَلَى تَقَعٍ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِهِ يَهْمِي وَصَحْوَةٌ فَيَشْدُخُ بِهَا رَأْسَهُ فَإِذَا مَرَبَةٌ تَدْهَدُهَا لُحَجْرًا فَنُطْلَقُ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهَا فَلَا يَرْجِعُ إِلَى هَذَا حَتَّى يَلْتَمِيْمَ رَأْسَهُ دَعَادَ رَأْسِهِ كَمَا هُوَ عَادَ إِلَيْهِ فَضَرْبَةٌ قُلْتُ مِنْ هَذَا؟ قَالَ أُنْطَلِقُ

فَأُنْطَلَقْنَا إِلَى ثَقِيبٍ مِثْلِ الثَّوْرِ أَعْلَاهُ ضَيْقٌ وَاسْفَلُهُ دَائِصٌ تَوَقَّدَتْ لَحْنَتُهُ نَارًا إِذَا اقْتَرَبَ ارْتَفَعُوا حَتَّى كَادُوا يَخْرُجُونَ فَإِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوا فِيهَا وَفِيهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عَوَاكِلُ فَقُلْتُ مَا هَذَا؟ قَالَ أُنْطَلِقُ

فَأُنْطَلَقْنَا حَتَّى آتَيْنَا عَلَى نَهْرٍ مِنْ دَمٍ فِيهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَعَلَى وَشْطَانٍ نَهْرٍ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ جَبَارَةٌ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهْرِ فَإِذَا أَدَانَتْ يُخْرِجُ وَمَا أَلَا الرَّجُلُ يَخْرُجُ فِي يَدَيْهِ فَرْدَةٌ عَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ عَلَيْهِ يُخْرِجُ لَمْ يَفِي فِي يَدَيْهِ بِجَبْرِ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هَذَا؟ قَالَ أُنْطَلِقُ

فَأُنْطَلَقْنَا حَتَّى آتَيْنَا إِلَى رَوْمَةٍ خَضْرَاءُ فِيهَا شَجَرَةٌ غَطِيْمَةٌ رَفِيٌّ أَصْلُهَا شَيْخٌ وَصَبِيَّاتٌ وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُوقِدُهَا فَيَقْعِدُ فِيهَا

فِي الشَّجَرَةِ قَادِ خَلَانِي دَارَ الْكَمِ اَرْقَطًا حَنٍّ وَاَفْضَلَ مِنْهَا فِيهَا رِجَالٌ مُشَبَّحُونَ وَشَبَابٌ
وَنِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ ثُمَّ اَخْرَجَانِي مِنْهَا فَصَعِدَا بَنِي الشَّجَرَةِ قَادِ خَلَانِي دَارًا هِيَ اَحَنُّ وَاَفْضَلُ مِنْهَا شُبُوحٌ وَشَبَابٌ -

كَلَّمَ طَوْفُسَمَا فِي اللَّيْلِ فَخَبَّرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ قَالَا نَعَمْ !

اَمَّا الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ بِشِدْقِهِ فَكَذَّابٌ يُكْذِّبُ بِالْكَذِبِ فَعَمِلَ عَنْهُ حَتَّى
تَبْلُغَ الْاَلَمَاتُ فَيُصْنَعُ بِهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ -

وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَدُّ رَأْسُهُ فَرَجْلٌ عَلَيْهِ اَللَّهُ الْقُرْآنُ قَنَامٌ عَنْهُ بِاللَّيْلِ
وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ يُعْمَلُ بِهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ -

وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّقَبِ فَهُمْ الزُّنَاةُ

وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ اَكْلُوا الْمَرْبُوءَا

وَالشَّيْخُ الَّذِي فِي اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِيمُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهُ قَاوِلَا دُلَّا نِسَ -

وَالَّذِي يُوقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ -

وَالدَّارُ الْاُولَى الَّتِي دَخَلَتْ دَارُ عَائِشَةَ الْمُؤْمِنِينَ وَامَّا هَذِهِ الْمَدَارُ فَدَارُ

الشُّهَدَاءِ وَاَنَا حَبْرًا يَسِيلُ وَهَذَا مِيكَائِيلُ - مَا رَفَعَ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَاِذَا اَفْعُو

يَسْتُلُّ السَّعَابَ قَالَا اَذَلِكَ مَنْزِلُكَ فَقُلْتُ دَعَانِي اُدْخُلْ مَنْزِلِي قَالَا لَئِنْ بَقِيَ لَكَ

عُمْرُكَ لَمْ تَسْتَطِعْ فَلَوْ اسْتَكْمَلْتَ اَتَيْتَ مَنْزِلَكَ (بغدادی - کتاب الجنائن)

ترجمہ - حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول

تھا جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف منہ کر کے فرماتے : کیا آپ میں سے کسی نے آج رات

کوئی خواب دیکھا ہے - حضرت سمرہؓ کہتے ہیں اگر کسی نے کچھ دیکھا ہوتا (تو) بیان کرتا - تو جو

اللہ کو منظور ہوتا آپ بھی (تعبیر) بتاتے - ایک دن (پھر) ہم سے پوچھا اور فرمایا کہ کیا آپ میں

سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ہم نے کہا : نہیں !

۱ - گدی تک چیر ڈالتا ہے - فرمایا لیکن میں نے آج کی رات دیکھا کہ دو شخص حیر

پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اُرض مقدس کی طرف لے گئے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ :

ایک آدمی بیٹھا ہے اور دوسرا کھڑا ہے ، اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے ، اسے

اس کے جڑے میں ڈال کر (اسے چیرتے ہوئے) اس کی گدی تک لے جاتا ہے ، پھر یہی معاملہ

اس کے دوسرے چڑے کے ساتھ کرتا ہے اور وہ جبراً پھل جاتا ہے، پھر اس کے ساتھ مکر وہی معاملہ کرتا ہے، میں نے پوچھا یہ کیا (مسئلہ) ہے؟ ان دونوں نے کہا آگے چلیے۔

۲۔ اس کا سر توڑا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم آگے چل پڑے، یہاں تک کہ ایک ایسے شخص پر آدھکے جو حیت لیٹا ہوا ہے اور دوسرا سر پر پتھر لیے کھڑا ہے اور اس سے اس کا سر پھوٹتا ہے، جب وہ اسے مارتا ہے تو پتھر لڑھک جاتا ہے، پھر وہ اسے لیتے کے لیے اس کی طرف جاتا ہے

اور اس کے آتے آتے اس کا سر پھل جاتا ہے، جیسا پہلے تھا، اب ویسا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ لڑھک کر آتا ہے اور اسے مارتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا (تقسیم) ہے؟ جواب دیا آگے چلیے!

۳۔ آگ کا گڑھا۔ چنانچہ ہم چل پڑتے ہیں یہاں تک کہ ہم ایک تنور جیسے گڑھے پر جا پہنچے جس کا منہ تنگ اور نیچے سے کشادہ ہے، اس کے نیچے آگ جل رہی ہے، جب وہ (آگ) کٹا کر کے قریب آتی تو (اس میں پڑے ہوئے لوگ) اتنے اوپر جاتے کہ نکلنے کے قریب آ جاتے، لیکن جب وہ دھیمی پڑ جاتی تو وہ (لوگ) بھی نیچے لوٹ کر آ جاتے، اس میں ننگے مرد اور مٹی عورتیں تھیں۔ اب پھر میں نے پوچھا کہ یہ کیا (اجرا) ہے؟ وہ بولے آگے چلیے۔

۴۔ خون کی ہنر میں غوطے۔ چنانچہ ہم پھر آگے چل پڑے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی ندی پر پہنچے (دیکھا کہ) اس میں ایک شخص کھڑا ہے اور نہر کے کنارے (یا وسط) میں ایک اور شخص کھڑا ہے، اس کے سامنے پتھر پڑے ہیں، جو شخص ندی کے اندر تھا وہ جب باہر نکلنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو دوسرا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے، اور اسے اسی طرف پھر دھکیل دیتا ہے، جہاں وہ تھا۔ (اسی طرح) جب کبھی وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے (تو) وہ اس کے منہ پر پتھر دے مارتا ہے۔ چنانچہ وہ وہیں لوٹ کر آ جاتا ہے، جہاں وہ تھا۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ کیا (تقسیم) ہے۔ وہ بولے آگے چلیے!

۵۔ باغیچے میں ایک بزرگ۔ پھر ہم رواں ہو گئے، یہاں تک کہ جب ہم ایک سبز باغیچے پر پہنچے، جس میں ایک بڑا درخت تھا اور اس کے تنہ کے پاس ایک بزرگ بابا اور اس کے آس پاس) بچے ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اور شخص ہے جو درخت کے قریب ہے، ان کے سامنے آگ ہے اسے وہ چلا رہا ہے، چنانچہ وہ دونوں مجھے اس درخت پر چڑھا کر لے گئے اور مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جس سے زیادہ حین اور عمدہ میں نے کبھی نہیں دیکھا، اسی میں بوڑھے اور جوان تھے۔

کچھ بتاؤ بھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے رات بھر پھرایا ہے تو جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ وہ بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ بہت اچھا۔

۱۔ وہ جھوٹے لوگ تھے۔ سودہ جو آپ نے دیکھا تھا کہ اس کا بھڑا پیرا جا رہا تھا وہ جھوٹا شخص ہے جو جھوٹ بولا کرتا تھا اور یہ جھوٹ اس سے روایت ہو کہ چار دانگ عالم پھیل جاتا، اس لیے اس کے ساتھ یہ معاملہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

۲۔ وہ عالم بے عمل تھا۔ اور وہ شخص جو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کا سر پھوڑا جاتا ہے سودہ یہ شخص ہے، جس کو اللہ نے قرآن سکھایا مگر رات بھر سو کر گزار دیتا اور دن بھر اس پر کوئی عمل نہیں کیا کرتا تھا اس لیے قیامت تک اس کو یہی سزا دی جاتی رہے گی۔

۳۔ وہ بدکار تھے۔ اور وہ جو آپ نے آگ کے گٹھے میں دیکھا تھا وہ بدکار لوگ تھے۔ وہ سودہ خور تھے۔ وہ شخص جس کو آپ نے نہر میں دیکھا تھا وہ سودہ خور ہیں۔

۵۔ وہ بابا حضرت ابراہیم تھے۔ وہ بابا جو درخت کے تنے کے پاس تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور جو بچے ان کے ارد گرد تھے وہ لوگوں کے کم سن بچے تھے۔ اور جو صاحب آگ مسکارہے تھے وہ مالک دوزخ کا داروغہ ہے۔ اور وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے۔

اور یہ (دوسرا) احاطہ (مکان) وہ دار شہداء ہے اور میں جبرائیل ہوں اور وہ میکائیل۔ آپ اپنا سر (مبارک) اوپر کو اٹھائیے! چنانچہ میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر کی طرح کی کوئی شے میرے اوپر تھی، انھوں نے کہا کہ وہ آپ کی رہائش گاہ ہے، اس پر میں نے کہا کہ: تو مجھے چھوڑیے تاکہ میں اس میں داخل ہوں، انھوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے جسے آپ نے ابھی مکمل نہیں کیا۔ اگر اسے پورا کر چکے ہوتے تو اپنے مکان میں آ جاتے۔

تشریح۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا ہے۔ لیکن انبیاء کے خواب اور بیداری کی باتیں یکساں ہوتی ہیں۔ اصفیٰ اعلام (پراگندہ خواب) نہیں ہوتے کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی سراپا حق ہوتی ہے۔ اس میں خواب اور بیداری کا کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کا سراپا اس قدر حق و صداقت کی چٹان ہوتا ہے۔ کہ باطل کے انتزاع کے لیے ان کی مبارک زندگی میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ انبیاء جو خواب دیکھتے ہیں وہ بھی سچ ہوتا ہے۔ اگر کوئی انھیں سو ہو خواب میں دیکھے تو وہ بھی حق اور

پسح ہوتا ہے۔ کیونکہ باطل کے لیے یہ ناممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صلے کا نقالی کر سکے۔

بعض سزاؤں کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ

سزا کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سے برزخی جزا و سزا پر روشنی پڑتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ برزخ ایک خاموش وقفہ اور پیریڈ ہے، وہاں بے خبری اور بے حسی طاری ہے۔ اس سے ان کی تردید ہوتی ہے۔ باقی یہی بات کہ اس جزا و سزا کا تعلق کس سے ہے، جسم سے، روح سے یا دونوں سے؟ اس مقصد میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ عالم برزخ میں مثلاً زید جیسے کہتے ہیں یا جیسا وہ شخص ہوتا ہے، جزا و سزا اسے ہوتی ہے۔

باچھیں چپکر گدی تک زنبور کی سزا، صورت حال کے عین مطابق ہے، کیونکہ ایسا متضع آدمی اسی طرح تکلف باتیں بناتا ہے اور باچھیں پھلا پھلا کر لوگوں کو جھوٹ پر مطمئن کرنے کی سعی کرتا ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ اس مرض میں ”واعظ سیائین سو“ سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں دوسرے نمبر ”مقصد فرقت پرست لوگ“ ان لوگوں کی وجہ سے بہت سے جھوٹ عوام میں ”دین بن گئے ہیں۔“ خاصکر حضور کی طرف جھوٹی روایات کا انتساب بہت بڑی رندی اور آخرت کی جوابدہی سے بے خوفی کی بات ہے۔

باقی رہے ”بے عمل علماء“؟ یقین کیجیے! یہ منصب جس قدر عظیم منصب ہے، اسی قدر انجام کے لحاظ سے ان کے لیے یہ منصب حد درجہ کا فتنہ اور وبال بھی ہے۔ بدکاروں کے لیے تنگ منہ والا آگ کا گڑھا دراصل ان چوروں کی تنگ و تاریک غلوں کا ایک مکدرہ منظر ہے۔

خون کی نہر میں سود خور کے غوطے اور اس پر پتھروں کی بادش، اس امر کی غماز ہے کہ ہر سود خور، مقررہ حق خون کرنا اور اس کا خون پینا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں مفضوب ہوتا ہے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بچوں کا منظر دراصل یہ بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دین حنیف کے عظیم داعی تھے اور انہی کا پیش کردہ دین، دینِ فطرت

بھی ہے۔ جو بچے بلوغت سے پہلے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں، ان کو دینِ فطرت پر تصور کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کو اس عظیم بزرگ اور بابا کے گرد جمع کر دیا گیا ہے۔ جو دینِ فطرت کے عظیم داعی تھے۔

بطورِ معائنہ یا مشاہدہ بہشت میں گزر ہونا اور بات ہے لیکن بطورِ صلہ، بہشت کے کسی گوشہ میں قدم رکھنا آخرت سے پہلے جائز نہیں ہے خواہ وہ عظیم ہستی ہی کیوں نہ ہو، جس کے بغیر بہشت کا دروازہ بھی وا نہ ہوگا۔

اس روایت سے چہ چلتا ہے کہ پورا عالم آب و گل اور دنیا کی تمام قدریں اور اعمال، اپنا ایک مثل رکھتے ہیں جو برزخ اور آخرت میں ہو، ہر شخص ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ جن امور کو ہم ایک معنی تصور کرتے ہیں، آخرت میں وہ بھی ایک مٹی پیکر میں آپ کے سامنے جلوہ گر ہوں گے، جزا و سزا دراصل خارج سے کسی پر مسلط نہیں کرے گا بلکہ وہ شے انسان کے خود اندر سے ابھر کر اس میں چھپا جائے گی یا اس کا بالکل قدرتی ردِ عمل ہوگا اس لیے آپ نے پڑھایا سنا ہوگا کہ قیامت میں یا برزخ میں بہشت کے انعامات اور دوزخ کے عذاب میں بلا کا تنوع اور تفاوت ہوگا، یہ تفاوت اور تنوع دراصل انسانی اعمال کے معنوی خواص کے تنوع کا نتیجہ ہے۔ جہاں بعض خواب اضغاثِ اعلام اور گندم بنجار کی حیثیت رکھتے ہیں، وہاں صحیح واقعات کا عکس اور فوٹو بھی ہوتے ہیں۔ غالباً اس میں انسان کی شخصی اقتدا و طبع، خصوصی مزاج اور سنجیدگی کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ جو لوگ بیداری میں جس قدر سنجیدہ اور متین ہوتے ہیں ان کے خوابوں میں اتنی ہی واقعت کا عنصر زیادہ شامل ہوتا ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس باب میں سب سے بڑھ کر سنجیدہ اور پاکیزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کے خواب بھی جھوٹ کے ہر شائبہ سے منزہ ہوتے ہیں۔ اس لیے خوابوں کی تعبیر میں بھی ان کو منفرد مقام حاصل ہے۔ چونکہ نیکوں کے خواب عموماً ایک کیمرے کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں بعض اوقات واقعات کی تصویر منعکس ہو جاتی ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے خوابوں کے آئینے میں جھانکنے میں دلچسپی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ مناسب اقدامات کے لیے غور کیا جاسکے اور جو چیزیں معاشرہ کی صلاح و فلاح سے تعلق رکھتی ہیں، ان سے ان کو بھی آگاہ کیا جاسکے۔

استفتا

زید ایک پیدائشی مجنونہ لڑکی سے اس کے والدین کی اجازت سے نکاح کر لیتا ہے
نکاح کے بعد بھی لڑکی کی حالت بدستور پہلے جیسی ہے۔ زید امامت کے فرائض بھی سرانجام
دے رہا ہے۔

مقتدی معترض ہیں کہ امام کی بیوی مجنونہ ہے اور وہ ایسی حرکات کرتی ہے جو شرم و حیا
سے خالی ہیں بلکہ مقتدی متنفذ ہیں۔ کیا ان حالات میں زید کا نکاح جائز ہے؟
نیز زید شرعاً امامت پر فائز رہ سکتا ہے۔

مفتی سید الطاف حسین شاہ

الجواب

جب مجنونہ لڑکی کے والد نے نکاح کر دیا ہے تو نکاح تو بہر حال ہو گیا، گو نیک انسان
کو بدکار سے نکاح نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مجنونہ کو بدکار کہنا ہی بے جا ہے کیونکہ وہ مکلف ہی
نہیں ہے۔

رَفَعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُونِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ حَتَّى يَبْرَأَ الْحَدِيثُ

(احمد، ابوداؤد عن علی و عمر)

ویسے بھی نکاح سے پہلے یا بعد میں جو زنا سرزد ہو جاتا ہے، اس سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا۔

لَا يُخْصَرُ الْحَرَامُ الْحَلَالُ دَابْنُ مَاجَه عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَبِهِ قِيَاءُ عَنْ عَائِشَةَ

بعض ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے بسا اوقات یہ کڑے گھونٹ برداشت کرنے پڑ جاتے ہیں۔

جَاءَ دَجْلُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ عِنْدِي امْرَأَةً هِيَ

أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ وَهِيَ لَا تَمْنَعُ بَيْدَ لَأَمْسٍ قَالَ طَلَّقْهَا قَالَ لَا أَصْبِرُ عَلَيْهَا قَالَ اسْتَمْعِ

بِهَا (رواه ابوداؤد والنسائي)

اس کے باوجود جو شخص اس حد تک دیکھ کر قناعت کر لیتا ہے، وہ قابلِ ذکر شخص نہیں

ہو سکتا، اسلامی زبان میں اس کو ”دیوث“ کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ: ایسے شخص جنت میں نہیں جاسکیں گے۔

ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ الْعَاقُ وَالْإِسْدِيُّ وَالِدَيُّوهُمَا وَالرَّجُلُ رَوَاكَ النَّسَائِيُّ وَالسَّبْرُ قَالَ الْمَذْرُوعِيُّ وَالْفُظْلَةُ يَا سَنَادِينَ جِيدِينَ۔

کیونکہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

ثَلَاثَةٌ حَرَّمَ اللَّهُ تَبَارَكَ تَعَالَى عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدَّتُهُمُ الْخَبْرُ وَالْعَاقُ وَالِدَيُّوهُمَا
الَّذِي يَقْرَأُ الْمُعْتَبِتُ فِي أَهْلِهِ (احمد)

باقی رہی ایسے کی امامت؛ سو اگر اس کے غازی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو اس کو خود بخود الگ ہو جانا چاہیے کیونکہ اس کی اپنی نماز قبول نہیں ہوتی، دوسروں کی کیا ہوگی؟
ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ صَلَاتَهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شَبْرًا رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ
لَا بِنَ مَا جَرَّدَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْفُظْلَةُ السُّنَمْدِيُّ عَنْ أَبِي إِمَامَةَ

خاص کر جو طبقہ حضرت امام الوضیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہے، اس کے لیے اندیشہ ہے کہ ان کی نماز ہی ضائع ہو جائے، کیونکہ ان کے نزدیک مقتدیوں کی نماز امام کی نماز پر ”مرتب“ ہوتی ہے، امام کی صحیح رہی تو ان کی بھی صحیح رہی۔ ورنہ نہیں۔

لَا تَرْفَعُ صَلَاتَهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شَبْرًا رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ
لَهُمْ (تہذیب لابن عبد البر جلد اول)

گو ان امور کا تعلق بظاہر فقہی ابواب سے ہے تاہم ان معنوی ارکانات سے بالکلہ مرت نظر بھی ممکن نہیں ہے۔

امامت، ایک عظیم قیادت ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ ہے کہ جو امامت نماز کا اہل ہے وہی ہماری سیاسی قیادت کا بھی حق دار ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی امامت نماز سے ان کی سیاسی قیادت کے ثبوت کے لیے انھوں نے فرمایا تھا۔

كَانَ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّلَاةِ، وَرَضِيَهُ الْبُيُوتُ
فَرَضِيَتُهُ لِدُنْيَانَا (فضائل ابوبکر الصديق للعشاري)

اس لیے اگر ایسے غیر مختلط نماز کی امامت پر نماز رہیں تو عوام کے دلوں سے نماز کا احترام بھی جاتا رہے گا۔ یہ بھی ایک قسم کی دکانداری ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے

کہ وہ شایان شان اصلاح حال کر لیں یا خود علیحدہ ہو جائیں ورنہ کسی تحریب اور تفریق کے بغیر ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر اس سے تفریق بین المسلمین کا اندیشہ ہو تو پھر نمازی کسی دوسرے مسجد میں دوسرے امام کے پیچھے جا کر نماز ادا کیا کریں۔ جہاں ایسی صورت حال کا سامنا نہ ہو، کیونکہ ضروری ہے کہ امام نیک شہرت کا حامل ہونا چاہیے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم (تَجَمَّلُوا لَكُمْ مَجِئَاكُمْ فَإِنَّهُمْ وَقَدْ فِئَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ غَرَضًا) (رواه الدارمی عن ابن عمر)

مخالطہ

قرنِ اولیٰ میں دستورِ یہ رہا ہے کہ جو سیاسی قائد ہوتا وہی امام نماز بھی ہوتا تھا، گویا کہ جو سیاسی سربراہ تھا وہ اپنے علم، تقویٰ اور طہارتِ نفس کی بنا پر امامتِ نماز کا اہل بھی ہوتا تھا اور جو امام نماز ہوتا تھا وہ صرف دورِ رکعت کا امام نہیں ہوتا تھا بلکہ امامتِ کبریٰ یعنی ملتِ اسلامیہ کی سربراہی اور قیادت کے لیے بھی وہ موزوں سمجھا جاتا تھا مگر کچھ عرصہ بعد یہ جامعیت نہ رہی۔ جو سیاسی حکام یا حکمران تھے، سیاسی فروگزاشتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے سلطانِ جائزِ ظالم یا خود سر حکمران ہو کر رہ گئے تھے مگر کیریکٹر کے اعتبار سے ابھی ان کو بازاری کہنا مشکل تھا۔ چونکہ وہ جابر بھی تھے، اس لیے ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا بائیکاٹ کرنا جان جو کھوں میں ڈالنے والی بات بن گئی تھی، یہ صورتِ حال دیکھ کر یہ فتویٰ دیا گیا کہ آپ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ ان کی کمزوریاں ان کے ساتھ، آپ کی نماز آپ کے ساتھ۔ لیکن بعد میں جب ان کے سیاسی فسق کے علاوہ اخلاقی فسق و فجور نے بھی بال و پر نکال لیے تو فقہاء نے اخلاقی فسق و فجور کے ترکیب کو بھی سیاسی فسق پر قیاس کر لیا اور فتویٰ دے دیا کہ ان کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیا کریں۔ گو علماء کے ایک دیدہ ور طبقہ نے اس سے اختلاف کیا تاہم غلبہ مجوزین کا رہا۔

صحابہ کے دور میں بھی تابعیوں کے اخلاط کی وجہ سے کچھ فکری بے اعتدالیوں اور عجیب و غریب تبدیلیوں نے بھی راہ پالی تھی جن کو خالص علمی مغالطوں سے تعبیر کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے مسلمان ان اہل بدعت کے پیچھے بھی نماز پڑھنے سے، مگر بعد میں جب فکری گمراہیوں، الحاد اور زندقت نے اپنے پاؤں پھیلانے تو اہل علم بزرگوں کے ایک خاص طبقہ نے ان کو بھی پہلے اہل بدعت پر قیاس کر کے ان کو بھی امامتِ نماز کے لیے گوارا کر لیا۔

ان دونوں (علمی فسق اور بے خدا لوگوں کی فکری گمراہیوں) کے باوجود امامتِ نماز کے لیے

ان کو گوارا کرنے کا ایک مفسدویہ ظاہر ہوا کہ نماز کے بعد سیاسی امامت کے سلسلے میں بھی وہ احتیاط نہ رہی جو امامت نماز کے ساتھ ایک حد تک ملحوظ رہی۔ نماز میں ایک حد تک یہ گھپلا زیادہ پاؤں نہ پھیلا سکا۔ لیکن سیاسی امامت کا مقام رشد و ہدایت سے بالکل آزاد ہو گیا۔ چنانچہ اس پر اب تک ایسے ایسے لوگ فائز رہے ہیں جن کو نگسار کیا جانا چاہیے تھا۔ وہ عموماً بین الاقوامی شہرت کے بدکردار لوگ رہے ہیں لیکن ان کے اس پہلو پر اس لیے پردہ پڑا کہ وہ برسر اقتدار تھے یا بدوں میں ان کی بدکرداری کی طرف انگلیاں نہ اٹھ سکیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اب یہ کاٹنا بدل دینا چاہیے، نماز کی امامت کے لیے نیک شہرت کے حامل، بلند کردار اور دیدہ ورحضرات کو آگے لایا جائے تاکہ ان کے ذریعے اس خلا کو بھی پُر کیا جا سکے جو سیاسی فضا میں مہریت کر گیا ہے اور جس نے اگر ہمارے اسلامی معاشرہ علی مزاج اور اخلاقی اقتدار کو حد درجہ غلط متاثر کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ (۱) امامت نماز (۲) اور سیاسی امامت کو پھر باہم بٹور کر ایک کر دیا جائے اور انہی حکام کی حیات کے ساتھ جو کبھی ان کا طرہ امتیاز رہا ہے تو یقین کیجیے! وہ امامت مسلمہ پر موجود اور مشہود ہو سکتی ہے جس کے احیاء کے لیے خاتم المرسلین کی بعثت ہوئی اور جس کی نوید حضرت غیبی اللہ سناتے رہے۔ واللہ اعلم۔

نماز قصر کے لیے مسافت کا تعین

جنگل خیل (کوہاٹ) سے ایک شخص پوچھتے ہیں کہ:-
ایک شخص ملازم ہے لیکن روزانہ اسے نو میل دور جا کر واپس آنا ہوتا ہے کیا اسے وہاں قصر کرنا چاہیے یا پوری نماز پڑھنا چاہیے۔

الجواب

مسافت۔ اس میں خاص اختلاف ہے، اس کی وجہ نقلی دلیل سے زیادہ عرف کی بات ہے کہ: لوگ کتنی مسافت کو سفر تصور کرتے ہیں، جہاں تک نقلی دلیل کی بات ہے، اس سلسلے میں بعض روایات تو وہ ہیں جن سے سفر کی کم از کم حد اخذ کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ کہنا کہ سفر میں فلاں فلاں جگہ آپ نے بھی قصر نماز پڑھی۔ شرعی حد سفر کی نشاندہی کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہاں دو مرفوع روایات ایسی ہیں جن سے اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

ابو سعید خدریؓ - کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا سافر فرسخاً یھضموا الصلوة

(سعید بن منصور ابن ابی شیبہ)

”یعنی جب آپ تین میل کے سفر پر نکلتے تو قصر کرتے۔“

تھوڑے سے لغظی اختلاف کے ساتھ ہی روایت احمد بن منیع اور عبد بن حمید نے بھی روایت کر ہے، کچھ علما نے لکھا ہے کہ سعید بن منصور والی روایت اگر صحیح ثابت ہو جائے تو کام بن جائے لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں، ابو ہارون عمارۃ بن جویں ہے جو شیعہ متروک اور متہم بالکذب ہے (میزان و تقریب)

قال البوصیری، مدار ما نیدہم علی ابی ہارون وهو ضعیف والاعتفاء

حضرت انس۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مہیوۃ ثلثۃ امیال ادثلثۃ فواضع شعبۃ المشاک، صلی دکتین (مسلم وغیرہ) یعنی تین یا نو میل کے سفر پر نکلتے تو دوکانہ پڑھتے۔

تین یا نو میل؛ حضرت شعبہ کو شک ہے، تاہم تین کے بجائے نو میل کم از کم اس کی حد تقسیم کر ل جائے تو تین بھی اسی میں آجاتے ہیں، اگر اس روایت کو نظر انداز کر دیا جائے یا اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو ”چوں چوں کامر یا چیتاں“ بن کر رہ جائے، کیونکہ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم اور امام شوکانی وغیرہ کا جو ارشاد ہے، امام بخاری کا میلان اس کے بالکل برعکس ہے، یہی حال صحابہ اور دوسرے ائمہ کا ہے۔ اس لیے قاطع نزاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے اور صحیح مسلم کی مندرجہ بالا روایت سے بہتر اور کوئی روایت نہیں ہے۔

بعض بزرگوں کا یہ کہنا کہ یہ دراصل اثناس سفر کی بات ہے کہ گھر سے نکل کر جب تقریباً تین یا اس سے زیادہ فاصلہ پر پہنچتے اور نماز کا وقت آجاتا تو آپ قصر کر لیتے۔ دراصل یہ ایک تکلف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس قسم کے اعتراضات کو رد کر دیا ہے (فتح)

اثناس سفر کہ جاکر انسان ”اجنبیت“ محسوس کرنے لگ جائے تقریباً تقریباً نو میل اس کی حد ہو سکتی ہے۔ ۸ میل یا اس سے کم و بیش کی حد آثار صحابہ اور تابعین سے اخذ تو کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس پر صحابہ کا اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے ان کا عمل دوسرے کے لیے حجت نہیں رہتا۔ اس لیے اگر صحیح مسلم کی روایت پر قناعت کر لی جائے تو انسان کے لیے شرعی معذرت بن سکتی ہے۔ باقی رہے دوسرے سارے؟ آپ کے لیے درج معذرت نہیں بن سکیں گے کیونکہ ہم نے ان کا کلیہ نہیں پڑھا۔

(عزیز زیدی)

نامہ اعمال و لمحہ فکر

تذکراتِ معاد یا حالاتِ بعد الموت کی حقیقتِ واقعی کا آسانی سے سمجھنا دشوار ہے۔ نامہ اعمال کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ حریف قطعی ہے جس کے مطابق جمہورِ مسلمین کا اعتقاد ہے کہ یہی نامہ اعمال انسان کی جزا و سزا کا باعث بنے گا۔ قرآن مجید میں ارشاداتِ ربانی کا مقصود و حاصل کلامِ سعادت - اخلاقِ حمیدہ و صفاتِ پسندیدہ کا انتساب اور شقاوت - خصائلِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ کا احتساب ہے۔ ہم اسی زاویہ نگاہ سے زیرِ نظر مضمون میں غور و فکر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

نامہ اعمال کی حقیقت

قرآن پاک میں یہ حقیقت متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ موت کے وقت ہی سے یہ امر انسان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ نیک یا نیکست انسان کی حیثیت سے رخصت ہو رہا ہے یا بد بخت آدمی کی حیثیت سے عالمِ بالا کو جا رہا ہے اور رخصتی کے وقت سے روزِ شتر تک ایک معزز مہمان کی طرح اس کی مہمان نوازی ہوگی یا ایک حوالاتی مجرم کی حیثیت سے۔ یہ راز عیاں ہو جانے کے بعد صالحین کی حالت، کچھ اور ہوتی ہے اور فاجر و منافقین کی کیفیت کچھ اور۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ رب تعالیٰ نے دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد نوعِ انسانی کے لیے ایک دوسری ابدی زندگی مقدر فرمادی ہے۔ جن لوگوں نے اس جہانِ فانی میں یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کی ہے کہ ایک نہ ایک دن انھیں اس موعودِ حقیقی کے سامنے پیش ہونا اپنے اعمال کا جواب دینا ہے جنھوں نے دنیاوی زندگی میں نیک عمل کر کے اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے پیشگی سامانِ مہیا کر لیا وہ لوگ تو اپنا حساب دیکھ کر ضرور فرحان و شاداں ہوں گے اور انھیں تو جنت میں ابدی سکون نصیب ہوگا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے خدا کا حقِ افضل ماننا نہ بندوں کے حقوق کی پروا کی ایسے لوگوں کو خدائے عزوجل کی گرفت سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا اور وہ ضرور معتبوب ہوں گے۔

سورۃ الحاحۃ میں یہ تمام کیفیت بالتفصیل اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

”اس وقت جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا۔ لو! دیکھو بڑھو میرا نامہ اعمال، میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔ پس وہ دلپسند عیش میں ہوگا۔ جنت میں جہاں پھلوں کے گچھے جھکے ہوں گے، ایسے لوگوں سے کہا جائے گا (مترے سے کھاؤ اور پیو اپنے اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیئے۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ کہے گا کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا گیا ہوتا۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار چھن گیا (حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر اس کو ستر (۶۰) ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ نہ یہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلائے کی ترغیب دیتا تھا۔ لہذا آج یہاں اس کا کوئی غم خوار نہ ہوگا اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے اور کوئی کھانا ہوگا۔ جسے خطا کاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھاتا۔ (الحاحۃ ۱۹-۲۵) اعمال نامہ انسان کے ہاتھ میں تھا دینا اور جھلانا کہ تو نے دنیا میں یہ یہ کارگزاریاں کی ہیں۔ صرف اس لیے مقصود نہیں کہ اُس کو ان کارگزاریلوں کا علم ہو جائے۔ انسان تو اپنی حرکات و سکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ اس امر کی ضرورت صرف اس لیے ہوگی کہ عدالتِ حشر میں مجرم کو اپنے جرم کا پتہ چل جائے اور یہی انصاف کا تقاضا ہے۔

بَلْ اِلَّا شَأْنُ عَلٰی نَفْسِهٖ بِصِيْرَةٍ ۝ ذٰكُوْلَئِھِیْ مَعٰذِیْكَ ۝ (القیامہ ۱۲-۱۵)

توجہ۔ یوں نہیں بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔

انسان اپنے نفس امارہ کے اشارہ پر تمام عمر چلتا رہتا ہے۔ جب کبھی ضمیر جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا بھی ہے تو اس کو طرح طرح کی معذرتیں۔ مجبوریاں پیش کر کے سلا دیا کرتا ہے لیکن اس کے باوجود حضرت انسان کو بخوبی علم ہے کہ اس شخص نے کس کس کے حق غصب کیے۔ حق تلفیاں کیں۔ کہاں کہاں رزق حرام کے لیے سرگرواں رہا۔ کفر و شرک یا دھرمیت کے بول کہاں کہاں بکتا پھرا۔ ان تمام باتوں کا انکشاف، مجبوریلوں اور مصلحتوں کا انصاف، دھوکہ اور ناجائز رزق کی حصولی کا فیصلہ، بدکرداریوں، کذب، بدعنوانیوں کی نقاب کشائی اس

نامہ اعمال میں مکمل درج ہوگی۔ جو آپ کو روزِ حشر پیش کر دیا جائے گا۔

نامہ اعمال اور روزِ قیامت

قیامت کے دن جب نامہ اعمال ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اس وقت یہ انسان بدکردار راہِ فرار اختیار کرنے کی سوچے گا۔ اور وہاں بھی اپنی سفلہ مزاجی سے بد حرکتیں کرنے سے باز نہ آئے گا۔ مگر اس کی ایک بھی تدبیر سودمند ثابت نہ ہو سکے گی جس کے لیے قرآن مجید نے اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْزُؤُ ۖ كَلَّا لَا وَزَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقْرُؤُ ۚ
ترجمہ: اس وقت یہی انسان کہے گا۔ کہاں بھاگ کر جاؤں۔ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اس روز تیرے رب کے سامنے ہی جا کر ٹھہرنا ہوگا۔

اس کے برعکس جن لوگوں کے نامہ اعمال خواہشاتِ نفس کی پیروی سے مبرا اور اسلام اور اس کے بنیادی عقائد اور اس کی اخلاقی تعلیمات سے لبریز ہوں گے۔ ان کے چہروں پر خوشی دمک رہی ہوگی۔ کیونکہ ان لوگوں نے دنیا کے مال و متاع کو چھوڑ کر اپنی دنیاوی زندگی میں برحق اور صحیح فیصلے کیے تھے۔ ان کے نامہ اعمال میں یہ سب اندراج موجود ہوں گے۔ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی دَالِيُوس - ۲۶ یعنی جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ اور وہ اچھا اجر (جیسا کہ بکثرت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے) یہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے مكرم بندے اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ بخاری کی روایت ہے کہ اَنْتُمْ سَيُؤَدُّوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا - یعنی تم اپنے رب کو اعلانیہ دیکھو گے۔

سلم، ترمذی میں حضرت مہیب کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا جن کا نامہ اعمال اچھا ہوگا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے رب کی زیارت سے شرف ہوں گے۔ بخاری و سلم میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا تم قیامت کو اپنے رب کو دیکھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں وقت ہوتی ہے جب کہ بیچ میں بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اس طرح تم اپنے رب کو دیکھو گے (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۱۷) قرآن پاک میں مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ يَحْجُؤْا وَهُمْ (المصفین - ۱۵)

ترجمہ: ہرگز نہیں وہ (یعنی فجار) اس روز اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔
یہ کون سے لوگ ہوں گے جو اس محرومی کا شکار ہوں گے۔ ان کے لیے بھی صریح ارشادات
ہیں۔ وہ لوگ فجار ہوں گے۔ کَلَامَاتُ الْفُجَّارِ لَعْنِ سَبْعِينَ ہرگز نہیں بدکار فجار لوگوں
کا نامہ عمل سبچین میں رہے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ
چڑھ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے قبول حق کی استعداد فنا ہو چکی ہے۔ اس آیت سے واضح
ہوتا ہے کہ بدکار لوگوں کا نامہ اعمال سبچین میں رہے گا۔ سبچین ایک دفتر ہے۔ جس میں تمام
اعمال منضبط اور محفوظ ہوں گے۔ یہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔
..... نیز مروی ہے کہ یہ مقام ارض سابعہ میں مستقر ارواح
کفار ہے۔ اور اس دفتر کے ریکارڈ میں تغیر و تبدل کا قطعاً احتمال نہیں ہے۔ برعکس اس کے
نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں رہے گا۔ وہ ایک مقام سماء سابعہ میں مستقر ارواح مومنین
کا ہے۔ جس کا کہ روح المعانی میں عبد بن حمید حضرت کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ملائکہ جب
مومن کی روح قبض کرنے ہیں تو پھر آسمان کے مغرب فرشتے ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سورت
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ یعنی نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے
اسی موضوع کو قرآن پاک میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ آخرت میں جب
اللہ رب العرش العظیم اپنی عدالت قائم فرمائیں گے تو اس میں فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس شخص
کے نیک اعمال برے اعمال سے زیادہ وزنی ہیں اور کس کے نیک اعمال کا وزن اس کے برے
اعمال کی نسبت ہلکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں خا ما من ثقلت موازينه (القافۃ - ۶) پھر جس
کے بڑے بھاری ہوں گے۔ پلڑوں کے بھاری یا ہلکے ہونے سے مراد بھلائیوں کے وزن کا ہلکا
یا بھاری ہونا ہے۔ یعنی انسان اپنے اعمال کی جو پونجی دنیا سے لے کر آیا ہے اس کی بھلائیوں
کے وزن سے برائیوں کا وزن ہلکا ہے یا نہیں۔ اس نفس مضمون میں قرآن پاک میں متعدد جگہ
تدریجاً تفصیلاً سمجھا دیا گیا ہے۔ سورہ کہف میں ارشاد ہوا ہے۔ اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو
ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں
کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ساری سعی و جہد راہ راست سے جھٹکتی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ
سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار
کر دیا اور اس کے حضور میں پیش ہونے کا یقین نہ کیا اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے

قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے (سورہ کہف : ۱۰۴-۱۰۵) دوسری جگہ فرمایا : کہ وزن اسی روز حق ہوگا۔ پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہ ہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے (الاعراف : ۸-۹)

سورۃ انبیاء میں ارشاد در بانی ہے۔ قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے۔ پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا راہی کے دانے برابر بھی کچھ عمل ہوگا وہ ہم لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں (الانبیاء : ۴۷) ان آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفر و حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی بُرائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو خود بخود جھکا دے گی۔ شرک کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ بھلائیوں کے پلڑوں کو جھکا دے۔ اس کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ مدعا یہ کہ مومن کے پلڑے میں ایمان کا وزن بھی ہوگا۔ اور اس کے ساتھ نیکیوں اور بھلائیوں کا بھی۔ لہذا مومن کے اعمال کا وزن بھاری رہے گا۔

نامہ اعمال

اللہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان لانے والے لوگوں کے زمرہ میں کون کون سے شامل ہوں گے۔ اولاً وہ جملہ تعالیٰ کو بلا شرکت غیرے تسلیم کرتا ہو۔ ثانیاً رسول کو ماننا ہو۔ اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مامور کیا ہوا ہادی و رہنما ہے۔ اور اس کی تعلیم واجب التسلیم ہے۔ اس ایمان بالرسالت میں ملائکہ۔ انبیاء اور کتب الہیہ پر ایمان لانا شامل ہے۔ ثالثاً آخرت کو ماننا ہو۔ اس حیثیت سے کہ انسان کی موجودہ زندگی آخری نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ اپنے ان اعمال کا جواب دہ ہونا ہے جو اس نے دنیا میں کیے اور اس محاسبہ میں جن کے اعمال صالح قرار پائیں گے۔ ان کو جزا اور جن کے بُرے قرار پائیں گے۔ ان کو سزا ملنی ہے۔ جِزَاءُ تَبَہَا کَا تَحَا یَعْمَلُونَ (الواقعہ ۴۴) یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

روزِ حشر میں محاسبہ کا خوف اعمال کی درستگی کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر تعلیماتِ قرآن و سنت کی روشنی میں ایک پاکیزہ عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ورنہ جہاں تعلیماتِ قرآن و سنت کا گزرنہ ہو وہاں محاسبہ کا خوف و یقین نہیں ہو سکتا اور جہاں محاسبہ کا ڈر نہیں وہاں اعمال کی بجا آوری اور درستگی کا گزر رکھتا ہے؟ قرآن میں بار بار اسی امر پر

زور ڈالا گیا ہے کہ ایمان دہی معتبر و مفید ہے جس کے صادق ہونے کا ثبوت انسان اپنے عمل سے پیش کرے۔ ورنہ ایمان بلا عمل ایسا دعویٰ ہے جس کی تردید خود انسان اپنی روزمرہ زندگی میں کر دیتا ہے۔ مومن کی تشریح تو متعدد جگہ کی گئی ہے مگر سورہ انفال میں اس قدر صاف اور سمجھانے کے انداز میں بتایا گیا ہے کہ **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ** (الانفال : ۲) مومن تو وہ لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ اس سے بہتر اور واضح الفاظ میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ خوفِ خدا سے لرز اٹھنا اس بات کی توضیح ہے کہ ایک دن اس نے اس مالک کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کی جزا و سزا کو سننا اور ماننا ہے۔

اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے قرآن پاک صاف الفاظ میں واضح کر دیتا ہے۔ **وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَابِلُونَ ۚ وَانظُرُوا أَنَا مُنظِرُونَ** (ہود : ۱۲۱ - ۱۲۲) اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ عمل کیے جاتے ہیں۔ اور نتیجہ اعمال کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی درستگی کے لیے محاسبہ کا خوف لازمی امر ہے اور وہ صرف مومن ہی کر سکتا ہے جس میں ایمان (باللہ، بالرسول، بالکتاب، ملائکہ اور یوم حشر) موجود ہو۔ اور وہی نصیحت اور عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ جس کو ان چیزوں کا خوف ہی نہ ہو وہ نامہ اعمال کی پرواہ کیسے کر سکتا ہے اور اعمال کی درستگی اور محاسبہ کے لیے تگ و دو کیسے کر سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ لوگوں کو کون کون سی خبیالات، کن اعمال اور کن عادات سے بچنا چاہیے۔ پھر جب لوگ اپنی بدذاتیوں سے باز نہیں آتے۔ اور غلط فکری اور غلط روی پر گامزن رہتے ہیں۔ استعداد قبولِ حق سے لاپرواہ ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ بھی دیکش ہو جاتا، ہدایت اور رہنمائی سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ ان لوگوں کو قیامت میں بڑی مشکل درپیش ہوگی۔

نامہ اعمال کون لکھتا ہے

خدا نے عز و جل کو خود انسان کے افعال و اقوال سے بخوبی واقف ہیں۔ مگر اس کے باوجود نامہ اعمال کے مرتب کرنے کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مامور کر دیے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

إِذَا يَسْتَلْقَى الْمُتَّقِينَ عَنْ الِئِمِّيْنِ دَعِيَ السَّمَاءِ فَيُبْدِ ۚ مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا

لَكَأَيُّهُ دَقِيقٌ عَتِيدٌ (ق - ۱۸ - ۱۹)

ترجمہ :- دو کاتب اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہر چیز لکھ رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ جسے محفوظ کرنے کے لیے نگران موجود نہ ہو۔

سمجھ گئے آپ! رب تعالیٰ نے انسان کو شتر بے ہمار بنا کر نہیں چھوڑ دیا۔ گوا انسان کو یہ فرشتے نظر نہیں آتے مگر ایمان کی ریز اگر آپ کے اندر موجود ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر وقت آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دو نمائندے موجود ہیں۔ جو خداوند کریم کے انتہائی مقرب اور استقامت ہیں جو آپ کا روزنامہ چھ انتہائی پاک بستری سے تحریر کر رہے ہیں۔ آپ کا کوئی فعل ان سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ چاہے آپ خلوت میں ہوں یا جلوت میں۔ کام اندھیرے میں کریں یا اجلے میں۔ آبادی میں اس فعل کا ارتکاب ہو یا ویران سنان جنگلوں میں۔ یہ فعل نگاہ انسانی سے تو نہ درمخفی رہ سکتا ہے مگر نگاہ ربانی سے ہرگز نہیں اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی بنفس نفیس تعریف فرمائی ہے کہ یہ فرشتے بزرگ اور معزز ہیں۔

وَأَنَّ عَلَيْكُمْ لَفِظِينَ هَكَذَا مَا كَاتِبِينَ هَ يَكْتُوْنَ مَا تَعْمَلُونَ (الانفطار ۱۰-۱۳)

ترجمہ :- بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔ مزید فرمایا گیا ہے کہ یہ فرشتے کا رد و گئی کے لحاظ سے نہ کسی کی بے جا رعایت یا مروت کرتے ہیں اور نہ کسی سے ناروا مخالفت نہ کسی کے ریکارڈ میں خیانت کرتے ہیں نہ مہربانی کرتے ہیں کسی کے روزناموں میں غلط سلط اندراجات کر ڈالیں۔

جناب عالی! یہ فرشتے چونکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اس وجہ سے اخلاقی کمزوریوں سے بھی بالاتر ہیں۔ مزید برآں ان فرشتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ یہ تمہارے ہر فعل کو خوب جانتے ہیں۔ کیا سمجھ؟ یعنی جناب کی تمام کرتوتوں سے بخوبی آشنا ہیں۔ اور قیامت میں ان کے سامنے اپنی دنیاوی کارستانیوں، بد اعمالیوں، اچھے دار تقریروں پر پُر فریب تدبیروں اور اقوال و افعال کی صحت سے انکار کرنا آپ کو ناممکن ہو جائے گا۔

عام طور پر سی آئی۔ ڈی کے مخبر ہر اس حرکت کو ریکارڈ کرتے ہیں جو کچھ وہ شخص جس پر ان کی تعیناتی ہو، ارتکاب کرے۔ مگر کراما کاتبین کی صفت ایسی نہیں ہے۔ وہ تو آپ کے اعمال سے اس حد تک واقف ہیں کہ اگر آپ کسی بدعتی کا تصور بھی کر لیں یا دل میں خیال بھی لے لیں تو اس کا اندراج بھی کر ڈالتے ہیں۔ سورت کھف میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ

قیامت کے روز مجرم یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ ان کا نامہ اعمال جو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات درج ہونے سے باقی نہیں رہ گئی۔ جو کچھ انھوں نے کیا جو کاتوں حاضر کر دیا گیا۔ (کہف : ۴۹)

گواہی کون دے گا؟

قرآن پاک کے مطالعہ سے نامہ اعمال کے بارے میں چند اور ضروری باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً قیامت کے روز کرائے کا تبیین کے تیار کردہ اعمال نامہ کے علاوہ زمین بھی اس کی کارکردگیوں کے بارے میں گواہی دے گی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الزلزال)

جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے۔ اس روز وہ اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی۔ کیونکہ تیرے رب نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہو گا۔ اس روز لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی حالت میں پیش ہوں گے تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائے جائیں۔ پھر جس کی ذرہ برابر نیکی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (سورۃ الزلزال)

مفسرین کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن زلزلہ آئے گا۔ جب تمام اگلے پھیلے انسان دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اس وقت زمین گے اندر تمام مدفون انسانوں کے جسموں کے تمام بکھرے ہوئے اجزاء جمع ہو کر از سر نو زندہ ہو جائیں گے۔ جیسے وہ پہلی زندگی کی حالت میں تھے تبھی انسان کہے گا کہ یہ زمین کو کیا ہو رہا ہے۔ زمین اسی پر اکتفا نہیں کرے گی بلکہ انسانوں کی پہلی زندگی کے اقوال و افعال، تمام حرکات و سکنات اور واقعات کا جو دہینہ اس کے سینہ میں دبا پڑا ہے۔ وہ بھی ملشت از بام کر دے گی۔ انسان خود دیکھ لے گا۔ یہی وہ سامان تھے۔ جن سے نے وہ دنیا میں بند باناگ دعویٰ کرتا تھا "مجھ کو مادِ دیگرے نیست" کے مصداق مظلوم و حاتم تھا۔ خدا کی مخلوق کو روٹی۔ کپڑا اور مکان دینے کے فرعون و دعووں اور مذہم طریقوں پر عمل کر کے تو مومن پر خدا کے خوف کی جگہ اپنا خوف مسلط کرتا تھا۔ اس دن سب کچھ کیا دھرا اس کے سامنے موجود ہو گا جو اس کے لیے وبال جان بن جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معلوم ہے اعمال کی گواہی کیسے ہوگی۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ فرمائیے۔ حضور رحمة للعالمین نے فرمایا۔ ایسے حالات ہوں گے کہ زمین ہر مرد اور
 پر عورت کے بارے میں اس کے عمل کی گواہی دے گی جو اس کی پیٹھ پر اس نے کیا ہوگا۔
 وہ کہے گی کہ اس نے فلاں جگہ فلاں دن یہ کام کیا (مسند احمد۔ نسائی۔ بیہقی) حضرت ربیعۃ الخزیمی
 کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا۔ ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے۔
 اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے گی۔ خواہ اچھا ہو
 یا برا (مجم الطرانی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ابن مردویہ کا بیان ہے کہ جب
 آپ بیت المال کا سب روپیہ اہل حقوق میں تقسیم کر کے اسے خالی کر دیتے تو بیت المال
 کی زمین پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر فرماتے۔ تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں
 تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کیا۔

یہ امر حقیقت ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو براہ راست خود بخوبی جانتا
 ہے۔ مگر آخرت میں جب وہ عدالت رب العرش العظیم میں پیش ہوگا تو ہر سزا و جزا کے سلسلہ
 میں انصاف کے تمام تر تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے گا۔ مقدمہ کے
 گواہ بھگتائے جائیں گے۔ ملزم کو پیروی کا مکمل اختیار ہوگا۔ شہادتوں میں کراما کا تبیین کے
 علاوہ وہ حصہ زمین جہاں یہ واقعہ ہوگا بھی گواہی دے گا۔ جسم کے وہ اعضاء بھی گواہی دیں گے
 جن سے وہ عمل کیا گیا۔ ملاحظہ ہو اس دن کیسی کارروائی ہوگی۔

سب سے پہلے وہ نامہ اعمال جس میں ہر وقت انسان کے ساتھ لگے ہوئے کراما کا تبیین
 اس کے ایک ایک عمل کا کھاتہ مرتب کر رہے ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے
 اوپر انتہائی معتبر اور عزت دار کاتب مقرر ہیں۔ حوالمحہ تمہاری حرکات و سکنات سپرد قلم
 کر رہے ہیں (الانفطار: ۱۰-۱۲) پھر قیامت والے دن یہ نامہ اعمال اس کے
 ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ پڑھ اپنا اعمال نامہ۔ تو خود ہی اپنا حساب
 کرنے کے لیے کافی ہے (بنی اسرائیل: ۱۴) جسے پڑھ کر انسان حیران رہ جائے گا کہ کوئی چھوٹی
 سے چھوٹی بات ایسی نہیں جو اس میں ٹھیک ٹھیک درج نہ ہو (الکہف: ۴۹)

اس نامہ اعمال کے مطالعہ کے بعد اگر انسان اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہے کہ فلاں کام
 میں نے نہیں کیا۔ یا فلاں جگہ میں نہیں گیا۔ یا اس خوب رو کو میں نے نہیں دیکھا یا فلاں کاروائی
 میں نے نہیں کی تو علی الترتیب اس کے ہاتھ پاؤں، آنکھیں، زبان غرضیکہ جسم کا ہر حصہ اس

بات کی شہادت دے گا کہ نامہ اعمال کا ہر لفظ درست ہے۔ اللہ کی عدالت میں اس کی اپنی زبان شہادت دے گی کہ اس سے وہ کیا کچھ بولتا رہا ہے۔ اس کے اپنے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کیا کام کیے (النور - ۲۲) اس کی آنکھیں شہادت دیں گی۔ اس کے کان گواہی دیں گے کہ ان سے اس نے کیا کچھ سنا۔ اس کے جسم کی پوری کھال اس کے افعال کی شہادت دے گی۔ کہ وہ کس نے ساتھ میں ہوئی۔ وہ حیران ہو کر اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تم بھی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو، اس کے اعضاء جواب دیں گے کہ آج جس خدا کے حکم سے ہر چیز بول رہی ہے اس کے حکم سے ہم بھی بول رہے ہیں (ختم سجدہ : ۲۰ - ۲۲) مزید برآں یہ کہ جب زمین سے دریافت کیا جائے گا تو زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ نامہ اعمال میں تحریر شدہ فلاں عمل اس شخص نے میرے اوپر فلاں فلاں جگہ کیا اور انسان خود دیکھ لے گا کہ اس کے دل میں جو خیالات، ارادے، مقاصد، دوسرے چھپے ہوئے تھے اور جن نیتوں کے ساتھ اس نے اعمال کیے وہ سب نکال کر زمین نے سامنے رکھ دیے۔ ان تمام قطعی اور ناقابل تردید شواہد فراہم ہونے کے بعد انسان دم بخود رہ جائے گا اور اس کے پاس بولنے کے لیے کوئی موقعہ نہیں رہ جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ترجمہ: یہ وہ دن ہے جس میں وہ نہ بولیں گے اور نہ کوئی غدر پیش کر سکیں گے۔ متقی لوگ آج سیالوں اور چیتوں میں ہیں۔ وہ جو پھل چاہیں کھائیں اور پیئیں مزے سے اپنے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے رہے۔ ہم نیک لوگوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں (المرسلات)

نامہ اعمال اور جزا و سزا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ یقیناً نیک لوگ مزے میں ہوں گے اور بے شک یدکار لوگ جہنم میں جائیں گے۔ جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور اس سے ہرگز غائب نہ ہو سکیں گے اور تم کیا مانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں تمہیں کیا خبر وہ جزا کا دن کیسا ہے؟ یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اس دن فیصلہ بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا۔ (الانفطار)

اللہ تعالیٰ نے متقیوں اور نفس مطمئنہ کو نعمات سے نوازنے کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ اور بغیر شک و شبہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس کے مستحق ہیں۔ جو حق پرستی کی راہ میں ہمیشہ بے دریغ قربانیاں دیتے رہے۔ جن مشکلات اور تکالیف وہ مصائب سے ہٹنا

ہوتے رہے اور ان کو پورے سکون قلب کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور دوسرے راستوں پر چلنے والوں کو دنیا میں جو فوائد و منافع اور لذائذ حاصل ہوتے نظر آ رہے تھے ان سے محروم رہ جانے پر انہیں کوئی حسرت نہ ہوتی تھی۔ جب اعمال نامہ سامنے آ جائے گا اور آپ کے اقوال و افعال کی باز پرس ہوگی۔ دوزخ اور جنت سب کی نگاہوں کے سامنے آ جائے گی اور اپنا اپنا مستقبل سب کو آشکارا ہو جائے گا۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ اس دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ ہر اک کو اپنے سوا کسی کو ہوش نہ ہوگا۔ کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے۔ ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور کچھ پر اس روز خاک اڑ رہی ہوگی اور کلوس جی ہوگی۔ بس یہی فاجروں کا فرہوں گے (العنبر ۳۷-۴۲)۔ ابن جریر نے مختلف مندرجہ

سے احادیث بیان کی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب لوگ جس طرح پیدا ہوئے تھے اسی طرح پیش ہوں گے۔ اس وقت حضرت عائشہ نے گھر کو ارشاد فرمایا۔ یا رسول اللہ اس روز کیا ہمارے ستر سب کے سامنے کھلے ہوں گے آپ نے جواب میں سورہ عبس کی یہی آیت تلاوت فرمائی (لَيْسَ أَهْوَىٰ مِنْهُمْ كَيْفَ يُعْذِرُ لَكَ عُتْبَةُ) یعنی اس دن اپنے سوا کسی کو ہوش نہیں ہوگا۔ (ترمذی۔ نسائی)

ذرا سوچیے! وہ بد بخت لوگ جن کی تمام دنیاوی زندگی بابرہ عیش کوش کو عالم دوبارہ نیست کے مصداق شب و روز فسق و فجور۔ بہو و لعب میں گزری۔ جائز و ناجائز کا کبھی خیال نہ کیا۔ حلال و حرام کی فکر نہ کی۔ جو کچھ خدا نے عطا کیا اس پر قناعت نہ کی۔ حرص و طمع کی آگ کبھی نہ بجھی۔ اللہ کے بھوکے بندوں کی جانب کبھی نگاہ نہ کی۔ وہ لوگ روزِ حشر اپنے اعمال نامہ کو دیکھیں گے اور گردن جھکا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ تب معلوم ہے کیا ہوگا؟ وَجْهِكَ يَوْمَئِذٍ يَبْهَتُهُمْ اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائے گی۔ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی۔ اس وقت سمجھنے سے کیا حاصل ہوگا يَوْمَئِذٍ لَيْسَ لَكَ قَدَمٌ لِّحْيَاتِي وہ کہے گا کہ کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے پیشگی سامان کیا ہوتا!!

سلسلہ تعزیرات اسلام کی تیسری قسط دفتر میں دیر سے موصول ہوئی ہے اس لیے اسے محدث کے اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے (ادارہ)

کنعان کنعانیوں کا ہے

(بلسلسہ فلسطین فلسطینیوں کا ہے)

(آخری قسط)

گزشتہ شمارے میں آپ کے سامنے تاریخ فلسطین کے مختصر جائزے کے ذریعے واضح کیا جا چکا ہے کہ یہاں کس کس دور میں کون کون اقوام آباد رہی ہیں اور آج کون کون سی اقوام اس کی دعوے دار ہیں۔ یہ بڑی اہمیت کی بات ہے کہ اس وقت دنیا میں تین ہی الہامی مذاہب ہیں اور تینوں کے ماننے والے فلسطین کے دعوے دار ہیں۔ سب سے پہلے مدعی یہود ہیں ایسے۔ ہم دیکھیں کہ ان کا دعویٰ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہود کے دعویٰ فلسطین کی بنیادیں درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ ہم عبرانی ہیں۔ عبرانی حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور حضرت ابراہیم سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ فلسطین کی حکومت ان کی اولاد میں رہے گی۔ اللہ کا یہ وعدہ اس کے پیغمبر حضرت موسیٰ کی تورات میں موجود ہے۔
- ۲۔ عبرانی فلسطین کے قدیم ترین باشندے ہیں اس لیے ان کا حق ہے کہ وہ فلسطین کو اپنا وطن سمجھ کر یہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کریں۔
- ۳۔ ازمنہ گزشتہ یعنی حضرت عیسیٰ سے قبل صدیوں تک فلسطین پر عبرانی یہود کی حکومت قائم رہی ہے جسے بعض دوسری اقوام نے طاقت کے بل پر ختم کر کے انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس لیے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا سابقہ علاقہ واپس انہیں سونپ دیا جائے۔
- ۴۔ فلسطین کی گود میں یہود کا مذہب پروان چڑھا ہے۔ اسی جگہ ان کے انبیاء نے تبلیغ دین کا کام کیا ہے اور یہاں ان کے مقامات مقدسہ ہیں جن کی توثیق بہر حال انہیں ملنی چاہیے۔
- ۵۔ فلسطین سے جبراً نکال دیے جانے کے باوجود عبرانی ہمیشہ اس خطے کو اپنا وطن سمجھتے

رہے ہیں اور وطن کی واپسی کے خواہش مند رہے ہیں۔ آج کی ہندو دنیا کو چاہیے کہ وہ ان کوششوں کی حمایت کرے جو عبرانی اس خطے کو از سر نو اپنا وطن بنائے اور اس وطن میں اپنی حکومت کے استحکام کے لیے کر رہے ہیں۔ یہ تو تھیں دعویٰ یہود کی بنیادیں۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ ان کے متعلق آپ کو اپنے حاصل مطالعہ سے آگاہ کرتے ہیں۔

جنرل سر رچرڈ گیل دوسرے مغربی محققین کی سہنوائی میں لکھتے ہیں۔ ابراہیم کسی متعین اور خاص شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ عبرانی قومیت کے تشکیل دور کا نام ہے اور وہ تمام واقعات جو حضرت ابراہیم سے متعلق ہیں۔ دراصل اس پورے دور کے ارتقا و پذیر واقعات ہیں کچھ دوسرے محققین کی رائے ہے۔ اگر حضرت ابراہیم واقعی کسی شخصیت کا نام ہے تو وہ ابرام سے مختلف ہے جن کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ حاصل ہے۔ کیوں حضرت ابراہیم آرامی نسل سے بیان کیے جاتے ہیں یعنی وہی نسل جس سے کنعانی ہیں جبکہ ابرام ارومی نسل سے ہیں ان لوگوں کے نزدیک اُرنامی شہر میں ابی رامو اور ابرام وغیرہ نام بکثرت ملتے ہیں۔

اگر تو رات کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ عبرانی اس ابراہیم کی اولاد ہیں جو اُرسے ہجرت کر کے فلسطین آئے تھے تو قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اس دور میں اردن کا بہت بڑا تہذیبی مرکز تھا۔ تجارت، صنعت، زراعت، فن تعمیر اور فنونِ لطیفہ میں دنیا کا امام تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اولین عبرانی شہری زندگی کے لوازمات اور رکھ رکھاؤ سے یکسر عاری تھے۔ وہ خانہ بدوش زندگی کے عادی تھے۔ فن تعمیر اور زراعت سے یکسر نا بلد۔ اس طرح

وہ اُرجیسے ہندو شہر کے کسی طرح باشندے معلوم نہیں ہوتے۔ ان لوگوں کا آغاز میں نہ کوئی مذہب تھا نہ پوجنے کے لیے کوئی خدا تھا۔ نہ بولنے کے لیے کوئی خاص زبان۔ جبکہ اہل اُر ان تمام خصوصیات سے مشغف تھے۔ عبرانی تو جس علاقے میں جاتے وہیں کی زبان بولنے لگتے۔ وہیں کے خداؤں کو پوجنے لگتے۔ بہت بعد میں جب انھیں احساس ہوا کہ دوسری اقوام کے خدا ہمارے ساتھ سبیل اولاد جیسا سلوک کرتے ہیں تو انھوں نے اپنا بھی ایک خدا بنا لیا جسے وہ یہواہ کہنے لگے۔ اس تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی اُرسے نہیں آئے۔ اس طرح ان کی نسلی اصلیت یعنی سامی ہونے اور پھر اولاد ابراہیم ہونے کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ نظریہ ان مغربی محققین کا ہے جو یہودی مآخذوں کو خوب اچھی طرح

کنفانال چکے ہیں۔ اس بات کو تقویت بطیموس کے درباری مودخ مانیٹھو کی تحریک سے جو مصر کے قدیم ترین دور کے حالات پر ثقہ ترین مؤرخ سمجھا جاتا ہے، ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ یہودی مری لوگوں کی ایک شاخ تھے جنہیں بعض جرائم کی بنا پر مصر سے نکال دیا گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہود نے خود کو حضرت ابراہیم کی اولاد میں کیوں کہا یعنی اس ابراہیم کی اولاد جو مذہب شہر آرسے آئے تھے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ جب فلسطین آئے تو اس وقت تک فلسطینی باشندوں نے اپنے ذہنی ارتقادر کے باعث کاشتکاری اور تعمیر کے سلسلے شروع کر دیے تھے اور یہی دو چیزیں تہذیب و تمدن کا اولین زمین ہیں۔ ان کے بالمقابل نئے آنے والے عبرانی نہ تو زراعت سے واقف تھے نہ فن تعمیر سے۔ اس لیے تہذیب کے اس دور میں انہیں کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا۔ انہوں نے مقامی فلسطینیوں کو مرعوب کرنے کی خاطر اپنے تخیل کے زور سے اپنی عظمت گزشتہ خود ایجاد کرنے کی کوشش کی۔ اسی لیے ایک امریکی مؤرخ لکھتا ہے کہ تورات جو یہود کے مذہب کی بنیاد ہونے کے ساتھ ان کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ بھی ہے موسیٰ کی وہ تورات نہیں ہے جو انہیں خدا کی طرف سے ملی تھی بلکہ یہ یہود کے خطوط اور روایات کا مجموعہ ہے جو خود ساختہ ہے جب قرون وسطیٰ میں گھداٹیاں اور تحقیقات شروع ہوئیں تو ان سے یہود کی مقدس کتابوں میں موجود تاریخی واقعات کی تصدیق کی بجائے تردید ہوئی اس لیے وہ ان کے لیے یائوس کن ثابت ہوئیں۔ بہر حال اپنی اصیلت کو منسج کر کے اپنی منشا کے مطابق ڈھلنے کا یہ واقعہ تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔ اس مقصد کی خاطر یہود نے بعد میں ہر ایسی تحریک کو ختم کرنے کی کوشش کی جو ان کے نقطہ نظر کے مخالف تھی اور ہر ایسے مؤرخ کی مخالفت کی جس نے اصل حقائق پیش کرنے کی کوشش کی۔ کئی یونانی مؤرخ اسی وجہ سے یہود کا ہدف بنے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ موجودہ یہودی اپنی نسل کے بارے میں جو ثبوت پیش کرتے ہیں ان سے کسی ابراہیم کا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا۔ مزید برآں اگر یہ مفروضہ کہ ابراہیم آر کے باشندے تھے تسلیم کر لیا جائے تو یہودی ان کی اولاد ثابت نہیں ہوتے۔ جب یہ آرسے آنے والے ابراہیم کی اولاد ہی نہیں ہیں تو پھر ارض موعود کے تصور کے کیا معنی؟ یاد رہے کہ یہ ساری بحث یہودی ماخذوں پر مشتمل ہے اور قرآن کریم کا نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ یہودیوں پر بھی احسان ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم کا وجود ثابت کیا ہے بلکہ اس طرح جیسے عیسائیوں کے یسوعان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ کا وجود قرآن نے ثابت کیا ہے ورنہ مسیح کے زمانے کی شہادت سے مسیح کا وجود

تاریخی طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

تورات جس میں خدا کے وعدے کا ذکر ہے اس کے متعلق تمام بڑے مغربی محققین متفق ہیں کہ وہ تورات ہرگز نہیں ہے جو خدا نے اُن کی عنایت کی تھی بلکہ یہ ان روایات و خطوط کا مجموعہ ہے جو مختلف ادوار ہی کی پیداوار ہیں اور جنہیں یہودی علمائے مذہبی اغراض سے یکجا کر دیا ہے۔ اس توراۃ کا ماخذ وحی الہی کی بجائے بعض دوسرے ماخذ ہیں۔ مثلاً مختصر جائزہ تاریخ انسانیت کے مطابق تورات کو آف موسیٰ یعنی پٹاٹوک کا عبرانی نام ہے جس کے متعلق یہود کا عقیدہ ہے کہ ۱۲۳۰ ق م میں حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی کوہ طور پر ملی تھی لیکن بہت سے نقاد اس بات کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ تورات میں شامل پانچوں کتابوں کے وحی کے بجائے ۴ اور ماخذ ہیں جن کے نام PRIESTLY CODE - JOHIST - ELOHIST اور DEUTERONIST ہیں۔

”فراعنہ کا مصر“ نامی کتاب کے مصنف کی رائے یوں ہے: ”عبرانی قوانین موسیٰ (تورات) قانون حمورابی سے اخذ شدہ ہیں۔ اور اس بات کی تصدیق اب چار ہزار سال بعد ایک کھدائی میں ملنے والے ایک ستون سے ہو گئی ہے جس پر قانون حمورابی درج ہے۔“ یاد رہے کہ حمورابی ۲۱۲۲ سے ۲۰۸۰ ق م تک بابل کا بادشاہ تھا۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ عبرانی زبان جو موجودہ تورات کی اصل زبان سمجھی جاتی ہے۔ اس کے حروف تہجی فونیقی زبان سے ماخوذ ہیں اور اخذ و استغاثہ کا یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے ۴۰۰ سال بعد کا ہے۔ آخر اس زبان کی کتاب موسیٰ کی اصل کتاب کیونکر ہو سکتی ہے جو زبان ہی موسیٰ سے ۴۰۰ سال بعد وجود میں آئی۔ ایسے شواہد کی بنا پر موجودہ تورات کو اصل الہامی کتاب ماننا بہت مشکل ہے اور ایسی جعلی کتاب میں خدا کے وعدے کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

چلیے براہ بحث ہم یہ مان لیتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی اولاد کو ایک مخصوص سرزمین میں آباد کیا جائے گا۔ اس ضمن میں موجودہ تورات میں لکھا ہے: ”خدا نے ابراہیم کو کہا اپنے مکان کو چھوڑو اور اس علاقے میں چلے جاؤ جو میں تمہیں دکھاؤں اس علاقے میں ذبیحہ نعت فتح خاندان آباد ہوں گے۔“ تورات میں ایک دوسری جگہ یوں ہے: ”اے اسرائیل وہ دن آرہے ہیں جب تیری نسل زمین کے تباہ شدہ شہروں کو تعمیر کر کے آباد کرے گی اور میں انہیں اپنی دی ہوئی زمین میں اس طرح مستحکم طور پر آباد کروں گا۔“

کہ پھر کوئی انہیں نکال نہ سکے گا۔“ تورات کی ایک عبارت یوں ہے۔ خدا نے ابراہیم سے حتمی وعدہ کیا کہ وہ اس کی نسل کو ستاروں کی طرح زیادہ کر دے گا اور ارض موعود پر انہیں حکمرانی عطا کرے گا۔“ ایک اور مقام پر یوں ہے۔ میں تیرے جانشینوں کو آسمان کے ستاروں کے برابر کر دوں گا اور یہ ساری زمین جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے انہیں عطا کر دوں گا اور اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ آباد رہیں گے۔“

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد کو فلسطین کی حکومت عطا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ آئیے ان پر ذرا غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ابراہیم کی اولاد کو ستاروں جتنا کر دوں گا۔ لیکن یہودی آبادی کسی بھی دور میں ڈیڑھ کروڑ سے آگے نہیں بڑھی۔ اور ان ڈیڑھ کروڑ میں بھی سارے یہودی عبرانی یعنی بقول ان کے ولاد ابراہیم نہیں ہیں کیونکہ حمیر لہن کہتا ہے کہ سائنسی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آج کی یہودی قوم سامیوں، مصرانی بدوؤں، حبشیوں اور امویوں کا مجموعہ ہے۔ جب کہ اموری آریائی یعنی غیر سامی ہیں۔

اس ضمن میں دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ یہودی حضرت ابراہیم کے پڑپوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ جو حضرت اسحاق کے صاحبزادے تھے جب کہ حضرت ابراہیم کے ایک دوسرے بیٹے کا نام اسماعیل تھا۔ اگر حضرت ابراہیم عبرانی ہیں تو حضرت اسماعیل بھی عبرانی ہیں اور ان کی اولاد بھی عبرانی ہے۔ قبائل عرب انہی اسماعیل کی اولاد ہیں۔ REBECCA WEPT AT THE WAILING WALL کا یہودی مصنف ص ۴۴ پر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ حضرت اسحاق کے سوتیلے بھائی اور حضرت ابراہیم کے بیٹے اسماعیل عبرانی تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب ہیں خدا کے اس وعدے میں شریک نہیں ہیں جس کا ذکر تورات میں ہے اور جس کی بنا پر یہودیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین ہمارا ہے۔ جب کہ عربوں کی آبادی بھی یہود سے زیادہ ہے اور وہ خدا کے اس وعدے پر زیادہ پورے اترتے ہیں کہ اے ابراہیم میں تیری اولاد کو ستاروں کے برابر کر دوں گا۔ یہود اس بات کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے بعد اسماعیل کی بجائے حضرت اسحاق مفعول من اللہ تھے لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق کی اولاد میں حضرت یعقوب کے بجائے ان کے دوسرے صاحبزادے جناب ایو مفعول من اللہ تھے۔ اس نص کا نشان کوئی چیل

تھا جو حضرت یعقوب نے معاذ اللہ چوری کر کے کھالیا۔ اس طرح نص یعقوب اور پھر اولاد یعقوب یعنی یہود کی جانب منتقل ہو گئی۔ ان یہودہ لوگوں کو اس بات کی قطعاً شرم نہیں ہے کہ وہ محض اپنے خود ساختہ نظریات کو ثابت کرنے کے لیے خدا کے برگزیدہ پیغمبروں پر کس طرح کی الزام تراشی میں مصروف ہیں۔ اب غور فرمائیے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ سے ان کی اولاد کے بارے میں بقول موجودہ تورات کوئی وعدہ ہوا تھا تو اس میں کس قدر گڑبڑ ہو چکی ہے۔ مزید برآں وعدہ اور وراثت کا مستحق بھی وہی ہے جو فرماں بردار ہے کیونکہ تورات کے مطابق خدا نے حق ملکیت کو فرما کر واری سے مشروط کیا ہے۔ قرآن نے بھی یہی کہا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ذَقَالَ لَأَيْنَأَ هَؤُلَاءِ اَفْلَهِسِينَ۔ ان حالات میں اگر تاریخ یہود کو بغور پڑھا جائے تو اس میں سولے مکرشی، نافرمانیاء اور کاذبیتیں دینے اور قتل کرنے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ ان حالات میں دعویٰ فلسطین کے ضمن میں ان کی دلیل اول قطعاً ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔ یہود کی اپنے دعویٰ فلسطین کو ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ فلسطین کے باشندے ہیں لیکن اگر قدیم ہونا میراث کا مستحق ٹھہراتا ہے تو پھر قدیم ترین اس کا زیادہ مستحق ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ فلسطین کے اصل باشندے کون ہیں اور پھر کس کس دور میں کون کون یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور عبرانی جن کے نام ہیں یہی بات مضمر ہے کہ وہ فلسطین میں نو وارد ہیں کب یہاں آکر آباد ہوئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فلسطین کے قدیم ترین باشندے غیر سامی ہیں۔ ان کے بعد یہاں اموری آباد ہوئے جن کی نسل شاید اب موجود ہی نہیں ہے۔ ان کے بعد یہاں عرب سے کنعانی آئے اور تورات میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ انہی کی مناسبت سے اس سرزمین کو کنعان کہا گیا ہے اور فلسطین کو کنعانیوں کی سرزمین کہا گیا ہے۔ تمام مورخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ کنعانی اس خطہ کے قدیم ترین موجود باشندے ہیں۔ جب سے یہاں آئے اسے وطن سمجھا۔ ہمیشہ یہیں رہے۔ اس ملک کے غلوں اور خوشیوں میں برابر کے شریک رہتے ہوئے ہمیشہ یہاں آباد رہے۔ کیسے بھی حالات ہوں انھوں نے کبھی بھیثیت قوم ترک وطن کا ارادہ نہیں کیا۔ اگرچہ ملک کی حکومت مختلف ادوار میں مختلف قوموں مثلاً اسیرلوں، بابلیوں، عبرانیوں، یونانیوں، رومیوں، ایرانیوں، سلتیوں اور عثمانیوں کے ہاتھوں میں رہی تاہم کنعانی ہر دور میں یہاں موجود رہے۔ حتی الامکان حملہ آوروں کی مزاحمت بھی کرتے رہے۔ یہی کنعانی بعد میں عرب مسلم سوسائٹی میں مدغم ہو گئے۔

اور دہلی ثانی کی بنا پر یہی لوگ خطہ فلسطین کے اصل وارث ہیں۔ عبرانی تو اغراض کے بندے ہیں۔ کنعانیوں کے بعد فلسطینی آئے۔ پھر معاشی اغراض کے تحت مصر چلے گئے۔ وہاں زمین تنگ ہوئی تو پھر فلسطین چلے آئے۔ حالات کی ناسازگاری پر دوسرے ممالک مثلاً مصر، روس، چین، بمبئی، ہالینڈ، جرمنی اور افریقہ وغیرہ چلے گئے۔ یہ لوگ فلسطینی تو کہلا سکتے ہیں فلسطین کے باشندے نہیں کہلا سکتے۔ جب باشندے ہی نہیں تو حکومت سازی کا حق انھیں کیونکر مل سکتا ہے۔

یہود کی تیسری دلیل یہ ہے کہ فلسطین میں جناب مسیح سے قبل صدیوں تک ان کی حکومت رہ چکی ہے جو جبراً ختم کر دی گئی تھی اب یہ علاقہ انھیں دوبارہ ملنا چاہیے تاکہ وہاں اپنی مرضی کی حکومت بنا سکیں۔ گزشتہ صفحات میں ارض فلسطین پر ایک طاثرانہ نظر آپ ڈال چکے ہیں اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ پہلے فلسطین کے مختلف علاقوں میں مختلف اقوام و قبائلی حکمران تھے۔ جنھیں عبرانیوں نے آکر زیر کیا۔ پھر بابلی، یونانی، رومی، مصری، سلجوقی، ترک، انگریز یہاں حکمران رہے۔ آخر اتنی اقوام ہیں سے بلحاظ قبضہ کسے وارث فلسطین قرار دیا جائے۔ دور حاضر کا مشہور مؤرخ ٹائن بی کہتا ہے۔ ۱۸۰۰ سال بعد فلسطین کو ارض یہود نہیں کہا جاسکتا۔ ورنہ امریکہ کو ریڈ انڈین کا ملک کہنا پڑے گا اور انگلینڈ کو دیگر کئی ممالک کا معاملہ بھی آج سے مختلف ہوگا۔ میرے خیال کے مطابق یہود کو سوائے ذاتی حق ملکیت کے فلسطین میں اور کوئی حق نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان کی وہاں ریاست قائم کرنے کا حق تسلیم کیا جائے۔

اسی طرح مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار ہیر سچن کی ۱۲ نومبر ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں لکھا۔ اگرچہ مجھے یہود سے مکمل ہمدردی ہے لیکن یہ ہمدردی مجھے انصاف کے تقاضوں سے اندھا نہیں کر سکتی۔ یہود کی قومی وطن کی آواز مجھے متاثر نہیں کرتی۔ فلسطین اسی طرح عربوں کا ہے۔ جس طرح انگلینڈ انگریزوں اور فرانس فرانسیسیوں کا۔ یہود کو عربوں پر مسلط کرنا کرنا غلط ہوگا۔ اگر یہود کا فلسطین کے علاوہ کوئی وطن نہیں ہے تو کیا دوسرے ممالک میں بننے والے یہود کو ان ممالک سے نکالنے کے لیے تشدد کرنا جائز ہوگا؟ یا وہ دوسری وطنیت چاہتے ہیں؟ تو رات والا فلسطین اب جغرافیائی چیز نہیں ہے۔ صرف یہود کے دلوں میں ہے لیکن اگر وہ اسے جغرافیائی حقیقت سمجھتے ہیں تو برطانوی تپوں کے سائے میں وہاں داخل ہونا

غلط ہے اور اس واقعہ کے خلاف عربوں کی مزاحمت بالکل جائز ہے۔

گر با کسی دور میں کسی قوم کا کسی علاقے میں حکمران ہو جانا ان کے ابدی حق ملکیت کی دلیل نہیں سمجھا جاتا ورنہ سپین اور سسلی وغیرہ پر بھی مسلمانوں کا حق تسلیم کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے

ہے ارضِ فلسطین پر یہودی کا اگر حق
ہیسا نہیں یہ حق کیوں نہیں اہل عرب کا
فلسطین پر اپنا حق ثابت کرنے کے لیے پورے دلیلیں کے طور پر یہودی کہتے ہیں کہ فلسطین
ان کے مذہب کا گہوارہ ہے۔ یہاں ان کے مقامات مقدسہ ہیں۔ یہیں ان کا مقدس ترین
شہر یروشلم ہے۔ جسے خدا کا گھر کہتے ہیں اور جس کے متعلق روایت ہے کہ یہ دنیا کا وسط ہے
اور خدا نے تمام شہروں کا وزن کر کے یروشلم کو ہی اس قابل پایا کہ یہاں ہیکل تعمیر کیا جائے۔ یہودی
کہتے ہیں کہ یہیں ہمارا ہیکل تھا جسے ہم دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہیں ان کے مقدس پہاڑ
جبل صیہون اور جبل موریہ ہیں۔ یہیں مسجد اقصیٰ کے مغرب میں ان کی دیوار گریہ ہے جو اس وقت
کی موجود یادگاروں میں یہودی سب سے مقدس یادگار ہے۔ یہیں تخت سلیمان اور مراد اوڈ
ہیں۔ یہیں خواب میں خدا نے یعقوب سے کلام کیا اور یروشلم کا نام بیت ایل رکھا۔ حضرت
ابراہیم اپنے صاحبزادے حضرت اسحاق کو قربانی کے لیے اسی شہر میں لے آئے تھے۔ یہودی کا
یہ بھی کہنا ہے کہ فلسطین میں ہی ان کی روحانی مذہبی اور قومی وحدت وجود میں آئی اور یہیں سے
انہوں نے دنیا کو بائبل دی اور عالمی اہمیت کی ثقافت پیدا کی۔ اگر ان باتوں کو فلسطین پر
یہودی کا حق ملکیت ثابت کرنے کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان بدھ مت کے پیروکاروں
کو دینا پڑے گا کیونکہ ان کا بانی بھی یہیں پیدا ہوا۔ ان کا مذہب بھی یہیں پروان چڑھا اور
یہاں ان کے مقدس مقامات بھی موجود ہیں۔ لیکن کوئی بھی اس وجہ سے ہندوستان بدھ مت
کے پیروکاروں کو دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بفرض محال اگر مقدس مقامات کی موجودگی کو
دراشت کا استحقاق سمجھ لیا جائے تو فلسطین میں مسلمانوں کے مقدس مقامات کی موجودگی کو دراشت
کا استحقاق سمجھ لیا جائے تو فلسطین میں مسلمانوں کے مقدس مقامات سب اقوام کی نسبت زیادہ
ہیں۔ کیونکہ یہودی کے پیغمبر داؤد، سلیمان، یوسف، موسیٰ علیہم السلام مسلمانوں کے بھی پیغمبر ہیں۔
اور ان سے منسوب یادگاریں مسلمانوں کے لیے بھی تقدس رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے
مخصوص مقدس مقامات بھی ہیں جن میں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔

لہذا اگر یہ دلیل استحقاق ثابت کرتی ہے تو پھر استحقاق مسلمانوں کا ثابت ہوتا ہے یہود کا نہیں۔

پانچویں دلیل بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے استحقاق ثابت کیا جاسکے۔ ان کا یہ کہنا کہ فلسطین ہمارا ذمہنی اور روحانی وطن ہے اور طویل جلاوطنی کے باوجود ہم ہمیشہ واپسی کے خواہش مند رہے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ثور غزین کے مطابق جب ۷۱ ق م میں اشوریوں نے دس اسباط بنی اسرائیل کو برباد کر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں منتشر کیا تھا تو پھر بعد کی طویل تاریخ میں کبھی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور نہ ہی انھوں نے کبھی واپسی کی خواہش و کوشش کی۔ بلکہ وہ جہاں بھی گئے ہوا گئے مقامی آبادی میں مل جل کر اپنی حقیقت کو فراموش کر گئے۔ بنی اسرائیل کے بارہ اسباط میں سے باقی صرف دورہ گئے جنھیں بابل کا بادشاہ قید کر کے بابل کے بیگانہ کیمپوں میں لے گیا تھا۔ جب سائرس نے ۵۳۸ ق م میں بابل فتح کر کے ان جلاوطن یہودیوں کو واپس فلسطین جانے کی اجازت دی تو واپس جانے والوں کے لیے ہر قسم کی آسائشوں کا بندوبست بھی کیا تو بہت سے یہود نے واپسی سے انکار کر دیا کیونکہ انھوں نے، قیام بابل کے دوران وہاں اپنے مذہبی مدارس بنا لیے تھے اور یہ لوگ بابل میں ہی اپنی تاملوری درس گاہوں سے چٹے رہے۔ اسی طرح سکندریوں ناتی کے حملہ کے بعد جب سکندریہ علوم و فنون کا مرکز بن گیا تو بہت سے یہودی خود بخود فلسطین سے سکندریہ منتقل ہو گئے اور مصری سوسائٹی میں اس قدر منم ہو گئے کہ اپنی زبان نکال بھول گئے حتیٰ کہ عبرانی تورات سے بھی ان کا رابطہ ختم ہو گیا۔ اس لیے ۲۲۸ ق م میں بہت سے یہودی علماء کو یروشلم سے سکندریہ بلا کر عبرانی توراۃ کا یونانی ترجمہ کروایا گیا تاکہ یہ لوگ اپنی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ ترجمہ کے لیے آنے والے علماء بھی واپس فلسطین جانے کی بجائے مستقل طور پر سکندریہ ہی میں آباد ہو گئے۔

انقلاب فرانس کے بعد ۱۷۸۹ء میں جب یہود سے تقاضا کیا گیا کہ وہ اپنی سیاسی وفاداریوں کا اعلان کریں تو تصور یہودی ریاست کے مصنف بن ہاین کے مطابق یہود نے ایسے کسی بھی خیال کو کہ وہ فلسطین سے کسی بھی طرح متعلق ہیں رد کرنے کے متعلقہ ممالک سے وفاداریوں کا اقرار کیا۔ ایسے یہودیوں نے صیہونیوں کی تحریک پر بھی ہجرت فلسطین سے انکار کرتے ہوئے برلن اور پیرس کو اپنا صیہون قرار دیا۔ کیونکہ ہر وہ ملک جہاں یہود کے پاس دولت

ہے انھیں فلسطین سے زیادہ محبوب و مقدس ہے۔ اعلان بالفور کے بعد یہودیوں نے پوری کوشش کی کہ تمام دنیا سے یہودی ہجرت کر کے فلسطین میں اکٹھے ہو جائیں لیکن عام یہودی اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ لہذا یہودیوں نے ہٹلر کو مختلف تنہکنڈوں سے تشدد پر ابھارا اور ڈاکٹر ڈائمرین اور بن گوریاں نے اپنے بے شمار ایجنٹ ہٹلر کی اس فورس میں بھرتی کروائے جن کا کام یہود کو تلاش کر کے قتل کروانا تھا۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ یہودی وحشت اور خوف سے یورپی ممالک چھوڑ کر فلسطین میں جا کر آباد ہو جائیں لیکن ان سب اقدامات کے باوجود دنیا بھر سے کل یہودیوں کی نہایت تلیل تعداد فلسطین پہنچی۔

یہودی مختلف تنظیموں نے عرب ممالک میں آباد یہودیوں کو ہر قسم کی آسائشات کا لالچ دے کر فلسطین آنے کی ترغیب دی لیکن وہ لوگ بدستور مصر، شام، عراق میں آباد ہیں۔ بن گوریاں نے تنگ آ کر یہ اعلان کیا کہ جو یہودی اسرائیل سے باہر ہیں وہ ہمارے مذہب سے خارج ہیں۔ اس لیے سب یہودی یہاں چلے آئیں۔ لیکن اس فتوے کے باوجود اسرائیل میں آباد یہودیوں کی نسبت کئی گنا زیادہ یہودی باقی دنیا میں آباد ہیں۔

آخر یہ لوگ فلسطین کیوں نہیں جاتے جب کہ دعویٰ ہے کہ فلسطین ہمارا وطن ہے اور ہم ہمیشہ واپسی کے خواہشمند رہے ہیں اور وہاں کی حکومت اسرائیل ان کے لیے چشم براہ بھی ہے بات وہی ہے جو پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہر وہ جگہ جہاں انھیں دولت اور سیاسی اقتدار مل جائے وہ انھیں فلسطین سے عزیز تر ہے اور قومی وطن کی اصطلاح ایک فراڈ ہے جسے انھوں نے سیاسی اغراض کے لیے استعمال کیا ہے۔ ورنہ تاریخ کے کسی بھی دور میں انھوں نے فلسطین کو قومی وطن کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔

فلسطین کے دوسرے دعویدار عیسائی ہیں۔ دعویٰ کے اثبات کے لیے ان کے دلائل

یہ ہیں :

- ۱۔ ۳۳۶ء سے حضرت عمرؓ کے دور تک ۶۱۴ء سے ۶۲۸ء کا مختصر عرصہ نکال کر جب یہاں خسر و پرویز ایرانی کی حکومت تھی یہ علاقہ عیسائی قلمرو کا حصہ رہا ہے۔
- ۲۔ یہ خطہ عیسائیت کا مولد و منشا ہے اور یہاں ہمارے مقدس مقامات ہیں۔

ان دونوں دلائل کا تار و پود یہود کے دعویٰ فلسطین کے ضمن میں بکھیرا جا چکا ہے اور ایسے بھی صلیبی جنگوں میں انگلینڈ کے رچرڈ بزرگ نے صلیبی افواج کے سربراہ کی حیثیت سے یہ علاقہ

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کے جہیز میں دے دینے کا فیصلہ کر کے عملی طور پر اپنے دعوے سے دستبرداری اختیار کر لی تھی۔

اس سرزمین کے تیسرے دعوے دار مسلمان ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر حضرت ابراہیم سے ان کی اولاد کو خدا تعالیٰ نے فلسطین کی حکومت عطا کرنے کا کوئی وعدہ کیا تھا تو عرب جو سیدنا ابراہیم ہی کی اولاد ہیں۔ اور یہود (جنہیں اولاد ابراہیم ہونے کا دعویٰ ہے) کی نسبت اس وعدے کی بنا پر حکومت سازی کے زیادہ متحق ہیں کیونکہ ان کی تعداد یہود سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اگر کسی علاقے کے قدیم باشندے ہونے کی بنا پر استحقاق کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے تو عبرانیوں سے قبل کے کنعانی جو آج اہل فلسطین کہلاتے ہیں اور اسرائیل سے جبرائیل گھر کر دیے جانے کے بعد شام، مصر، لبنان اور اردن میں پناہ گزینوں کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں ارض فلسطین میں حکومت بنانے کے زیادہ متحق ہیں اور چونکہ یہ کنعانی اب مسلمان ہیں اس لیے ارض فلسطین مسلمانوں کا علاقہ تصور ہونا چاہیے۔

دل لرز اٹھے نہ کس طرح تماشائی کا

اب خدا حافظ و ناصر دل سودائی کا
یہ صلہ مجھ کو ملا ہے مری سچائی کا
کر سلیقہ بھی عطا نا صیر فرسائی کا
فائدہ کم ہے یہ کیا گوشہ تنہائی کا
مرد مومن ہوا سے خطرہ ہو پسپائی کا
خوف ہے دل میں اگر باد یہ پیائی کا
دھیان آئے نہ کبھی دل میں خود آرائی کا
کیا طریقہ ہے مری حوصلہ افزائی کا
مول کوڑی نہیں پھر حسن کی زیبائی کا
دل لرز اٹھے نہ کیوں ایک تماشائی کا

ضبط کی تاب نہ یار ہے شکبائی کا
مجھ سے حق چھین لیا ہے مری گویائی کا
شرفِ سنگِ دربار جو بخش مجھ کو
نفوحِ کات سے پر ہیز گناہوں سے گریز
کفر و ایمان کی لڑائی میں یہ ممکن ہی نہیں
سیر کر سکتا نہیں گلشنِ مقصود کی تو
اپنی فطرت پہ گرا انسان کبھی غور کرے
نام میرا ہے مگر کام یہ سب ہے تیرا
حسنِ سیرت کا ہو فقد ان اگر انسان میں
دیکھ کر شاخ پہ شادابی گل کا انجام

موت کا ذکر بھی ہو فکر بھی ہو محشر کی
ہے تقاضا یہی عابز تیری دانائی کا

Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

- ✱ عباد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ باطل کی حیثیت رکھتے ہیں — لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر
- ✱ اقامتِ تقسیمِ اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- ✱ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں سبک کا درجہ رکھتے ہیں۔
- ✱ لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- ✱ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے — لیکن
- ✱ دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فرضِ سرانجام نہ دینا، حقیقتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- ✱ تبلیغِ دین اور نشر و اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دنیویہ کے خلاف ہے۔
- ✱ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- ✱ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے لیکن
- ✱ ع۔ جہادِ دین سیاست تو رہ جاتی ہے چیلنجی
- ✱ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے — لیکن جاہلیت کو رٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عینِ جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور مفید لائحہ رو یہ پسند کرتے ہیں تو:

مَحَلِّث

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے

زیر سالانہ ۱۵ روپے